بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
انکارِ حدیث کے نتائج
تالیف
شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر مدظلہ
مکتبہ صفدریہ
نزد مدرسہ نصرۃ العلوم
گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (قرآن کریم)

انما بعثت لاتمم مكارم الاخلاق (حدیث شریف)

اصل دین آمد کلام اللہ معظّم داشتن
پس حدیثِ مصطفیٰ برجان مسلّم داشتن

جس میں

بڑی تحقیق اور عرق ریزی سے منکرینِ حدیث کی مختلف کتابوں اور رسالوں سے خود اُن کی اپنی عبارات اور تحریرات کے آئینہ میں اُن کے عقائد و اعمال اور افکار و نظریات کا اجمالی خاکہ پیش کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ ان کا دعویٰ تو صرف حدیث کے انکار کا ہے لیکن اصولِ دین کی کوئی چیز ایسی باقی نہیں رہ جاتی جس کا انکار ان کے کسی نہ کسی طبقے نے نہ کیا ہو۔ اس سلسلہ میں نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اُسوہ حسنہ کی جامعیت پر قدرے مفصّل بحث کی گئی ہے۔ نیز دیگر اہم گوشوں کو بھی واضح کیا گیا ہے اور منکرینِ حدیث کے باطل خیالات کا خوب جائزہ لیا گیا ہے۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل

مؤلفہ

ابوالزاہد محمد سرفراز خاں صفدر، خطیب جامع گکھڑ و مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم، گوجرانوالہ

طبع ہشتم ۵ ....فروری ۲۰۱۰ء

نام کتاب.......... انکار حدیث کے نتائج

مؤلف..........امام اہل سنت شیخ الحدیث

حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

مطبع.............. مکی مدنی پرنٹرز لاہور

تعداد.............. ایک ہزار (۱۰۰۰)

قیمت.............. -/۸۰ (اسی روپے)

ناشر.............. مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

﴿ملنے کے پتے﴾

☆ مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ بنوری ٹاؤن کراچی
☆ مکتبہ فاروقیہ ہزارہ روڈ حسن ابدال
☆ کتب خانہ مظہری گلشن اقبال کراچی
☆ ادارۃ الانور بنوری ٹاؤن کراچی
☆ مکتبہ امدادیہ ملتان
☆ مکتبہ حقانیہ ملتان
☆ کتب خانہ مجیدیہ ملتان
☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ الاظہر بانو بازار رحیم یار خان
☆ اقبال بک سنٹر نزد صالح مسجد صدر کراچی
☆ مکتبہ الحسن حق سٹریٹ اردو بازار لاہور
☆ مکتبہ رشیدیہ سرکی روڈ کوئٹہ
☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
☆ اسلامی کتب خانہ اڈا گامی ایبٹ آباد
☆ مکتبہ عثمانیہ میاں والی روڈ تلہ گنگ
☆ مکتبہ العارفی فیصل آباد
☆ مکتبہ حلیمیہ درہ پیزو لکی مروت
☆ مکتبہ صفدریہ چوہڑ چوک راولپنڈی
☆ مکتبہ رحمانیہ قصہ خوانی پشاور
☆ والی کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ
☆ مکتبہ حنفیہ فاروقیہ اردو بازار گوجرانوالہ
☆ ظفر اسلامی کتب خانہ گکھڑ
☆ مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک
☆ مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک
☆ ادارہ نشر و اشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَرْسَلَہٗ ھُدًی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَعَلٰی مَنِ اتَّبَعَہٗ وَاَطَاعَہٗ مِنْ اَئِمَّۃِ الدِّیْنِ الَّذِیْنَ ھُمْ مَصَابِیْحُ الدُّجٰی۔

اَمَّا بَعْدُ!

ہر چیز کا اس جہان میں کوئی نہ کوئی محرک اور سبب و داعیہ ضرور ہوتا ہے۔ جب تک اسباب و دواعی اور محرکات ظہور پذیر نہ ہوں کسی چیز کا وجود میں آنا متصوّر نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک محور ہے جس کے گرد تمام افعال گھومتے ہیں۔

سببِ تالیف

اس ناچیز تالیف کا سبب یہ ہے کہ کافی عرصہ سے منکرینِ حدیث کی طرف سے حدیث کو ناقابلِ اعتبار قرار دینے کے لیے نت نئے شوشے چھوڑے جاتے ہیں۔ کبھی یہ کہ حدیث ظنّی چیز ہے، اور ظنّی چیز دین نہیں ہو سکتی۔ کبھی یہ کہ آپ نے کوئی مستند مجموعہ لکھ کر امّت کے حوالے نہیں کیا۔ اگر حدیث حجّت ہوتی تو آپ منع کیوں کرتے؟ کبھی یہ کہ صحابہ کرامؓ اور خصوصیت سے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ حدیثوں کے اشد مخالف تھے۔ حتیٰ کہ انہوں نے تو حدیثوں کے مجموعے ہی جلا ڈالے تھے۔ اور حدیث بیان کرنیوالوں پر کڑی نگرانی اور سخت پابندی عائد کر دی تھی۔ کبھی یہ کہ خلافتِ راشدہ کی طرف سے تدوین حدیث کا کوئی انتظام نہیں کیا گیا۔ کبھی یہ کہ حدیث دو اڑھائی سو سال کے بعد تدوین کی گئی ہے، لہٰذا اس کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے؟ کبھی یہ کہ صحاح ستّہ وغیرہ کُتُبِ حدیث کے بیشتر مصنّفین عجمی ہیں۔ کیا وجہ ہے کہ یہ خدمت عربی ادارہ

کر سکے؟ لہٰذا یہ عجمی سازش کا نتیجہ ہے۔ کبھی یہ کہ احادیث قرآن اور عقل کے خلاف ہیں۔ لہٰذا یہ ناقابلِ اعتماد ہیں۔ کبھی یہ کہ احادیث کو تسلیم کر لینے کے بعد ہی اُمّت کے اتفاق کا شیرازہ بکھر گیا ہے، اِس لیے حدیث سے تو توبہ ہی بھلی کبھی یہ باور کرایا جاتا ہے کہ حدیث ہمارے بدلتے ہوئے تقاضوں کو پُورا نہیں کرتی اور ہمارے قرآنی زاویۂ نگاہ اور بصیرتِ قرآنی پر کڑی پابندی لگاتی ہے۔ اِس لیے ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے۔ کبھی یہ کہ چونکہ یہ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ کے خلاف ہے، اس لیے اس کو تسلیم کر لینے سے انسان کافر، ظالم اور فاسق وغیرہ ہو جاتا ہے۔ (العیاذ باللہ) وغیر ذٰلِکَ من الخرافات۔

ان کے مختلف بیہودہ اور فرسودہ نظریات کو دیکھ کر افسوس بھی ہوتا ہے اور حیرت بھی کہ اُنہوں نے حدیث کے انکار کے لیے بیشتر وہی دلیلیں پیش کی ہیں جو کسی وقت عیسائی اور اسی طرح باطل اور بدمذہب فرقے پیش کر چکے ہیں۔ شراب تو وہی پُرانی ہے البتہ بوتلوں کی رنگت بالکل نئی ہے۔ ہم نے ان کے ان باطل نظریات کے رد میں ایک کتاب ترتیب دی ہے جس کا نام "شوقِ حدیث" تجویز کیا گیا ہے۔ پھر خیال ہوا کہ اس کا مقدمہ بھی لکھنا چاہیے جس میں منکرین حدیث کے بطور نمونہ کچھ باطل عقائد اور نظریات و افکار بھی مُسلمانوں کی ضیافت طبع کے لیے پیش کرتے چاہئیں تاکہ اُن کو بھی بخوبی یہ معلوم ہو جائے کہ منکرینِ حدیث چاہتے کیا ہیں؟ نیز یہ بات بھی واضح ہو جائے کہ جنہوں نے غلام اور لونڈیوں، قتلِ مرتد اور یتیم پوتے کی وراثت وغیرہ کے مسئلہ کو مُلّا کے ذاتی مسائل قرار دیکر عام مُسلمانوں کو اس طریقہ سے مُلّا کا عجیب و غریب مذہب نمایاں کرکے بتلانے کی کوشش کی ہے وہ اپنی تحریرات کے آئینہ میں اپنا منہ بھی دیکھ سکیں۔ یہ مسئلے تو مُلّا کے ہیں نہیں مِلکِ یمین کا ضابطہ بشرائطِ خود تو قرآنِ کریم کا مسئلہ ہے اور قتلِ مُرتد کا حکم احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے اور یتیم پوتے کی وراثت کا مسئلہ اجماعِ اُمّت سے ثابت ہے۔ جس میں بقول اسلم صاحب جیراج پوری آج تک کسی کا کوئی اختلاف ہی نہیں ہوا (محصّلہ) (ان کے رد میں انشاءاللہ الگ رسالہ لکھا جائے گا یہاں اس کی تردید مقصود نہیں ہے) لہٰذا خیال ہوا کہ چلتے چلتے ان کے چند افکار و نظریات

بھی پیش کر دیئے جائیں۔ جب ان کی کتابوں سے اقتباسات لیے گئے تو بہت زیادہ ہوگئے پھر ان میں بعض کو بنظرِ اختصار حذف بھی کر دیا گیا معہذا کتاب کا حجم پھر بھی کافی ہوگیا۔ اِس مجبوری کے تحت اس کو علیحدہ شائع کیا جا رہا ہے۔ اور اس وجہ سے اس کا نام بھی الگ ہی تجویز کیا گیا ہے تاکہ "شوقِ حدیث" کا مضمون الگ اور مستقل رہے اور ان لوگوں کے پیش کردہ خرافات جُدا رہیں۔ تاکہ محدثین کرامؒ کے نیک اور پارسا گروہ کے تذکرہ میں منکرینِ حدیث اور ان کے خیالاتِ فاسدہ کا ذکر ہی نہ آئے۔ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا۔ چونکہ کتابِ پیشِ نظر کا بیشتر حصہ تقریباً ایک ہفتہ (ایامِ عید کی تعطیلات) میں لکھا گیا ہے اور عدیم الفرصت ہونے کی وجہ سے پوری طرح نظرِ ثانی بھی نہیں کی جا سکی۔ اِس لیے قارئین کرام اغلاط سے مطلع فرما کر مشکور ہوں تاکہ طبع آئندہ میں تلافی کی جا سکے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ محدثین کرامؒ کے نیک گروہ میں ہمیں شامل کرے اور گمراہوں کے زُمرہ سے الگ تھلگ رکھے۔ آمین ؎

الٰہی خیر ہو کہ فتنۂ آخر زماں آیا
رہے ایمان و دین باقی کہ وقتِ امتحاں آیا

احقر

ابوالزاہد محمد سرفراز خاں صفدر

خطیب جامع گکھڑ و مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم۔ گوجرانوالہ

۱۴ ذوالحجہ ۱۳۷۹ھ۔ ۱۰ جون ۱۹۶۰ء

نازک ترین دَور

اس وقت دنیا ایک نہایت ہی پُر آشوب دَور اور نازک تر حالات سے دوچار ہے۔ اِنسان انسانیت کا دشمن ہوگیا ہے۔ علم و ہُنر کی ساری قوّت ہی آدمیّت کو ختم کرنے کے لیے وقف ہوچکی ہے۔ ظلم و جور، جبر و تعدّی، دھوکہ و فریب کا ہر طرف اور ہر سمت بازار گرم ہے۔ ہوائے نفس کی پیروی اور رُوحانیت سے تمسخر لازمۂ زندگی بنتا جا رہا ہے، محض اپنی تن آسانی اور نفس پروری کے لیے کمزوروں اور ناتواں، ضعیفوں اور ناداروں کا خون تک چوسا جا رہا ہے۔ میدان جنگ میں اِنسان کی عظمت اور شرافت پر اٹیم بم، ہائیڈروجن بم اور راکٹوں کے ذریعہ آگ کے شعلے برسانے کی وسیع تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ رشکِ فردوس ایوانوں اور فلک بوُس عمارتوں کو کھنڈروں میں تبدیل کر دینے کے ڈبل منصوبے ہو رہے ہیں۔ ہلاکت اور خوُں ریزی کے خونیں مناظر کو بعجلت تمام لانے کے لیے ایک دوسرے سے مسابقت کی جا رہی ہے۔ باغبانِ ازلی کے لہلہاتے ہوئے چمن کو اُجاڑنے اور مسمار کرنے کے گہرے مشورے ہو رہے ہے۔ ایمان و عملِ صالح، عدل و انصاف، عفّت و عصمت اور مذاہب و مسالک کو خس و خاشاک کی طرح بہالے جانے کے مضبوط ارادے کئے جا رہے ہیں۔ بین الاقوامی سیاست کی محض اپنے ملکی مفادات، نفسانی خواہشات اور ملک گیری کی ہوس میں آئے دن نیتّیں بدلتی رہتی ہیں بغرضیکہ ہر مُلک اور ہر حکومت کے سامنے زندگی اور موت کا سوال درپیش ہے، اور ہر ملک اپنے کو معصوم اور دوسروں کو مُجرم گردانتا ہے اس لیے اُن کو تباہ و برباد اور ہڑپ کرنے کے درپے ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہر مُلک بربادی، ہر قوم تباہی اور ہر ملّت خرابی کے قریب تر ہوتی جا رہی ہے۔ مگر باوجود ان غیر مُختتم ہلاکت آفرینیوں اور عالمی پریشانیوں کے خدا و مذہب اور اخلاق و روحانیت کو فراموش کیا جا رہا ہے بجائے اس کے کہ دُنیا ان تباہیوں اور ناکامیوں سے سبق حاصل کرکے خدائے واحد اور مذہب

کی بلند اقدار کی طرف جھکتی اور اپنے آپ کو ہلاکتوں اور بربادیوں کے ہولناک سیلاب سے محفوظ رکھتی، وہ دن بدن مذہب و اخلاق سے دُور اور روحانیت و فکرِ آخرت سے متنفّر ہوتی جا رہی ہے۔ الحاد و دہریت اور نفسانی خواہشات کو پُورا پُورا موقع مل گیا ہے کہ وہ ہر اعتبار اور ہر لحاظ سے نوعِ انسانی کی جسمانی اور رُوحانی تباہی کا نقشہ جلد سے جلد مرتّب کر دیں اور شب و روز اس کوشش و کاوش میں منہمک ہیں تاکہ انسان کے پاس کوئی اسلامی ضابطۂ حیات کوئی روحانی دستورِ مکمل اور کوئی کامل نظامِ اخلاق جس پر نبوّت و رسالت اور خلافت علیٰ منہاج نبوّت کی مُہرِ تصدیق ثبت ہو، باقی نہ ہے اور دینِ قیّم کی روشن تعلیم میں آئے دن نئے نئے شکوک و شبہات پیدا کر کے مسُلمانوں کو ان کے محبوب اور جامع تر دین سے متنفّر اور بدظن کیا جا رہا ہے۔ غیر تو غیر خود اسلام کے نام لیوا ہی اخلاقِ فاضلہ اور اسوۂ حسنہ کو صفحۂ ہستی سے ناپید کرنے کا ٹھیکہ لے چکے ہیں جتیٰ کہ اب تو آخری دین کی مشہور و معروف اصطلاحات کو بدلا جا رہا ہے اور بعض کے بدلنے کی فکر کی جا رہی ہے۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

ڈرتا ہوں عدمؔ پھر آج کہیں شعلے نہ اُٹھیں بجلی نہ گرے
بربط کی طبیعت اُلجھی ہے نغمات کی نیّت ٹھیک نہیں

وہ بہترین رُوحانی اور انقلابی دین جس نے عرب کے ناخواندہ بدوّں کو ارضِ عالم کے بہترین انسانوں کی صورت میں متشکل کر دیا تھا۔ جو ایک فاتح اور حکمران قوم کی حیثیت سے افقِ عالم پر نمودار ہوئے تھے۔ قومیں ان کی عظمت اور شوکت سے لرزتی تھیں۔ تاج و تخت کے مالک ان سے تھرّاتے تھے اور ان کے نام ہی سے بڑے بڑے مغرور دماغ ڈھیلے پڑجاتے تھے۔ ان کو یہ اعلیٰ کمالات جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اکمل ترین اُسوۂ حسنہ سے حاصل ہوئے تھے۔ جس کی بدولت وہ دنیا کے بہترین معلّم، اعلیٰ ترین مدبّر، عمدہ ترین افسر، فہیم ترین فرمانروا، نفیس ترین معمار اور بزرگ ترین تاجر و مجاہد قرار پائے۔

جن کی مثال پیش کرنے سے دنیا قاصر ہے جن کے قرآن وحدیث پر عمل کرنے کے صحیح جذبے نے کافروں اور نافرمانوں، بدکاروں اور سیاہ کاروں کو مختصر سے وقت میں فرشتہ صفت اور مقدس انسان بنا دیا تھا۔ حیف بر حیف ہے کہ اسی اسوۂ حسنہ میں محض نفسِ امارہ کی پیروی میں کیڑے نکالے جا رہے ہیں اور حدیث و اسوۂ حسنہ کا سرے سے انکار کیا جا رہا ہے (العیاذ باللہ)

نوجوان پود اور دین سے بے بہرہ طبقہ کو قلم اور ادب برائے الحاد کے سحر سے یہ باور کرایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں پر صدیوں جو غفلت اور جمود طاری رہا اور دین و دنیا کی جن عظمتوں اور کامرانیوں سے وہ محروم رہے اور جس قعرِ مذلت میں گر کر وہ شان و شوکت کھو بیٹھے اور آج بھی ہر طرف سے زوال و انحطاط کی جو تاریک گھٹائیں ان پر مستولی ہیں، وہ صرف حدیثی اسلام اور جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ اور سنتِ غرا پر عمل پیرا ہونے ہی کی بدولت ہے (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) چنانچہ ایک ایسا ہی بے دین اور دریدہ دہن سنت سے متعلق یہ لکھتا ہے کہ:۔

"یہ سنت ہی تھی جس نے اسلام کے ابتدائی جمہوری مزاج میں بگاڑ پیدا کیا۔ یہ سنت ہی تھی جس نے مسلمانوں کو متعدد فرقوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے ان کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا، یہ سنت ہی تھی جس نے بنوامیہ اور بنوعباس کے عہد میں مذہبی لوگوں کو غیر معمولی اہمیت دلوائی۔ (سنت سے ناراض ہونے کی اصل وجہ بھی شاید یہی ہے۔ صفدر) اور یہ سنت ہی تھی جس نے دولتِ عثمانیہ کو ناقابلِ علاج مریضوں کی آماجگاہ بنایا۔"

(بحوالہ اخبار "تسنیم" لاہور ۹ر فروری ۱۹۵۵ء ص۱ کالم ۲)

پناہ بخدا۔ یہ بالکل بے بنیاد اور فاسد نظریہ آج سکولوں اور کالجوں، کارخانوں اور دفتروں کے بعض بزعمِ خود روشن خیال نوجوانوں کے عقائد و اعمال اور اخلاق و روحانیت

کو دیمک کی طرح چاٹ اور گھُن کی طرح کھا رہا ہے لیکن وہ اس بے حقیقت نظریہ کو تریاق سمجھے ہوئے ہیں اور اُمّت کے انحطاط و زوال کے اصل سبب کو کہ وہ صرف قرآن وحدیث اور اخلاق و رُوحانیت سے بے بہرہ اور بعید ہونا ہے، تجاہلِ عارفانہ کے طور پر پسِ پُشت ڈالا جا رہا ہے اور اس کا نام تک نہیں لیا جاتا۔ فواأسفا!

وہ کون عقلمند اور منصف مزاج ہے جو اس کا انکار کر سکے کہ جناب رسول کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بتائی ہوئی اسلامی زندگی ایک نہایت اعلیٰ وارفع زندگی ہے جو نوعِ انسانی کی امن وسلامتی اور فلاح و کامیابی کی حقیقی راہ دکھانے کی کفیل ہے جس نے تمام طاغوتی نظامہائے زندگی کو مٹا کر ان کی جگہ پاکیزہ دین درخشاں روحانیت اور چمکتی ہوئی شریعت پیش کی ہے۔ جس سے بیگانہ اور منحرف ہونے کے بعد مسلمان دنیا میں رفتہ رفتہ اپنے مقام اور ارفع منصب کھو بیٹھے ہیں اور بدقسمتی سے اب اُن کے عقائد واعمال اور افکار و نظریات میں ایسا ہمہ گیر اور خوفناک انتشار اور تضاد پیدا ہو گیا ہے کہ علی العموم ان کا ہر نظم بدنظمی، ہر دیانت بددیانتی اور ہر اتفاق بے اتفاقی پر ہی منتج ہو کر رہ جاتا ہے (الّا ماشاء اللہ)

خلیفۂ راشد حضرت عمرؓ بن الخطاب (المتوفی ۲۳ھ) نے ایک خاص موقع پر حضرت ابوعبیدہ بن الجراحؓ (المتوفی ۱۸ھ) سے خطاب کرتے ہوئے کیا ہی عمدہ بات ارشاد فرمائی ہے:۔

انا کنّا اذل قوم فاعزّنا اللہ بالاسلام فمہما نطلب العزّ بغیر ما اعزّنا اللہ بہ اذلّنا اللہ (مستدرک ج ۱ ص ۶۱ قال الحاکمؒ والذھبیؒ صحیح علیٰ شرطہما)	ہم نہایت ذلیل لوگ تھے سو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اسلام کے ذریعہ عزّت بخشی ہے ہم جب بھی اس طریقہ کے علاوہ جس سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں عزّت بخشی ہے کسی اور ذریعہ سے عزّت حاصل کرنا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کر کے چھوڑیں گے

اور ایک خالص حقیقت ہے کہ جب سے مسلمانوں نے اسلام اور اسلام کے زریں اصول اور جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی سنّت کی پیروی اور اتباع ترک کر دی ہے اُسی وقت سے وہ دنیا میں ذلیل اور خوار ہوکر زندگی بسر کر رہے ہیں اور بجائے اوج کے حضیض سے اور بجائے عروج کے زوال سے ہمکنار ہیں ؎

گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
ثریّا نے زمیں پر آسماں سے ہم کو دے مارا

فطرت اللہ

سمندر کا ایک ایک قطرہ ریت کا ایک ایک ذرّہ، درختوں کا ایک ایک پتّہ اور زمین و آسمان کا ایک ایک گوشہ بزبانِ حال ہر باشعور کو پکار پکار کر یہ دعوت فکر دیتا ہے کہ تمہارا اپنے آقائے حقیقی کے ساتھ ایک ازلی رشتہ اور ایک ابدی علاقہ ہے جس نے تمہاری جسمانی راحت و آرام کی خاطر جو اہتمام فرمایا ہے اُس سے کہیں زیادہ اُس نے تمہاری کائناتِ روحانی کی آسائش و زیبائش کا معقول اور واضح تر انتظام کیا ہے۔ یہ بہتے ہوئے دریا، یہ اُبلتے ہوئے چشمے، یہ لہلہاتے ہوئے سبزے، یہ چہچہاتے ہوئے پرندے، یہ اُونچی اُونچی پہاڑیاں، یہ گھنی اور گنجان جھاڑیاں، یہ تناور اور پھل دار درخت، یہ خوش رنگ اور خوشبو دار پھول اور پتّیاں، یہ چرند و پرند، یہ نباتات و جمادات، یہ ارض و سماء اور یہ مادی عالم کے جملہ تغیرات، کیا یہ دعوت نہیں دیتے کہ زندگی کے ہر ہر لمحہ میں عبد اپنے معبود کو یاد رکھے۔ جلوت و خلوت، ظاہر و باطن، امارت و غربت، کسی حالت میں بھی اس کے خیال سے غافل نہ ہو۔ عبدِ مُنیب کا اپنے معبود حقیقی کے ساتھ یہ تعلق چلتے پھرتے، اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، صحت و سقم اور سفر و حضر ہی کی کیفیات تک ہرگز محدود نہیں بلکہ زندگی کے ہر لمحے اور حیاتِ ناپائیدار و مستعار کی ہر گھڑی میں وہ اپنے معبود ہی کی بے نیازی و عظمت کا اقرار کرتا ہوا نظر

آئے گا۔ کسی آن اور کسی شان میں بھی عبدِ مُسلم کا ربط اپنے پروردگار سے ہرگز منقطع نہیں ہوسکتا۔ بندہ اپنی بندگی اور بے چارگی کے تعلّقات کو اپنے ربّ ذُو المنن اور اس کے الطاف و عنایات کے ساتھ وابستہ و استوار رکھنے کے بغیر بندہ کہلانے کا مستحق ہی نہیں ہوسکتا۔

بندہ کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اللہ تعالےٰ سے خوف اور ڈر رکھنے کے باوجود بھی اس کی رحمت و رأفت کی قوی اُمید اور اُس کی نصرت و دستگیری پر کامل اعتماد اور آسرا کرے اور ہر وقت اس کی توجہ کا مرکز صرف وہی ذاتِ کبریائی ہی ہو۔ کھانے پینے کی کوئی مجلس ہو یا کھیل و شغل کی کوئی محفل بے تکلف احباب کی ہماہمی ہو یا اہل و عیال کی چہل پہل، خلوت کا کوئی گوشۂ تنہائی ہو یا جلوت کی رنگینی، بازار کی رونق ہو یا حجرہ کا کوئی زاویۂ خمول، میدانِ کارزار ہو یا شادی کی بزم۔ کہیں بھی اس کے ہاتھوں سے اپنے معبودِ حقیقی کی رضا جوئی کا مضبُوط اور مستحکم سررشتہ ہرگز جدا نہیں ہوسکتا۔ اور زندگی کے کسی لمحہ میں بھی وہ اپنے معبود کی عظمت و جلالت کے خیال سے کبھی غافل نہیں رہ سکتا۔ خدا تعالےٰ کی بندگی اور بندوں کی بیچارگی کے ان مستحکم روابط اور تعلقات کا چولی دامن کا ساتھ ہے جو کسی وقت منفک نہیں ہوسکتے۔ رَبِّ قدیر سے مناجات کرتے ہوئے عبدِ مُنیب جب فطرت کی گہرائیوں میں ڈوب کر اپنی تمام نفسیات کا جائزہ لیتا اور اپنی ذاتی زندگی کا محاسبہ کرتا ہے۔ اور جب اس عمیق مطالعہ کے بعد اپنا سر اُٹھاتا ہے تو حسبِ ارشادِ خداوندی فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا۔ اگر وہ اس فطرت سے بیگانہ نہیں ہوچکا تو وہ خدائے ذوالجلال کے سامنے سرنیاز جُھکا کر رقّت انگیز لہجے اور محبّت خیز لَے میں یہ کہتا ہوا نظر آتا ہے کہ ؎

ہمیشہ تیرے دَر پہ ہو سرِ تسلیم خم میرا
رہے تیرے تصرّف میں زباں میری قلم میرا

فطرتِ صحیحہ تک رسائی کا طریقہ

نفسانی خواہشات اِنسان کو انجام بینی سے روک کر تن آسانی اور راحت کا گرویدہ بنانے پر آمادہ اور مذہبی تقاضوں پر غفلت کے پردے ڈالنے میں مصروف و کوشاں رہتی ہیں۔ اکتسابِ اخلاقِ فاضلہ، خیر و شر کی حقیقی تمیز اور زندگی کے اعلیٰ ترین مقصد و مرام تک پہنچنے اور ان کمالات کے حاصل کرنے سے روکتی ہیں جو مذہب پر کاربند ہو کر آنے والے سفر میں بھی رفیقِ سفر رہتے ہیں۔

اگر آج کوئی متنفس ایسا باقی نہ رہے جو خدائے بزرگ و برتر کی رضاجوئی کے لیے اپنی جان و مال سب کچھ قربان کر دینے پر آمادہ اور روزِ جزاء کے مؤاخذہ سے بچنے کے لیے اپنی تمام خواہشاتِ نفسانی اور نفسِ امّارہ کا مقابلہ کر سکتا ہو اور اگر تمام باتوں کو جو کسی نہ کسی حیثیت سے مذہب و دین کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں، فنا کر دیا جائے تو یہ دلفریب اور دلکش دنیا نہ صرف یہ کہ بے لطف و بے رونق بن جائے گی بلکہ درندوں کا جنگل وحشی جانوروں کا اکھاڑہ اور شیطانوں کی بستی بن جائے گی۔ پس اس بات کے تسلیم کر لینے میں ذرّہ بھر تامّل نہیں ہو سکتا کہ دنیا میں اخلاق و رُوحانیت تہذیب و تمدّن اور تمدّنی ترقیات اور عمدہ اخلاق کی بنیاد مذہب ہی نے قائم کی ہے اور مذہبیت کی عمر نسلِ اِنسانی کی عمر سے ایک دن بھی کم نہیں ہے اور مذہب کوئی وہمی اور خیالی چیز نہیں بلکہ ایک واضح حقیقت ہے۔ جس سے بڑھ کر کوئی اور چیز حقیقت نہیں اور وہ ایک ایسی صداقت ہے جس سے بڑھ کر کوئی اور صداقت تصوّر میں نہیں آسکتی۔

مگر یہ یاد رہے کہ مذہب سے مُراد اس جگہ الٰہی، الہامی اور آسمانی مذہب ہے جس میں تمام عقائد و اعمال اور اخلاق و معاملات، نیز حیات بعد الممات اور اسی طرح بے شمار دیگر احکام مشرح طور پر بیان کیے گئے ہیں۔ باقی دھرمی یا فلسفی، محض عقلی اور خودساختہ نظریات کو مذہب کہنا ہی اشد غلطی ہے اور ان بے بنیاد مذاہب کو عالمِ اِنسانیت میں

کبھی کوئی اہمیت حاصل ہی نہیں ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے۔

مذہب صرف وہ ہے جو رسول اور نبی کے ذریعہ دنیا میں شائع ہوا۔ جس کی نشر و اشاعت کے لیے بہت سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام وقتاً فوقتاً دنیا میں مبعوث ہوتے رہے۔ جنہوں نے فطرت اللہ کے موافق نسل انسانی کی بہترین رہنمائی کی اور توجہ الی اللہ کے لیے اظہار عبودیت کے مختلف اور متنوع اعمال و اشغال بتائے اور اس طرح فطرتِ انسانی کی شگفتگی کے ساتھ ہی ساتھ دین الفطرت بھی شگفتہ ہوتا گیا۔ جن لوگوں نے عقل صحیح اور الہام ربّانی سے بے نیازی برتی اور اپنے ارادہ اور اختیار کا غلط استعمال کیا تو وہ فطرت اللہ کی تلاش میں آوارہ اور گم کردہ راہ بن کر انبیاء۔ وملائکہ، جنّات و بنی آدم، احبار و رہبان، چاند و سورج، ستارے و فرضی ارواح، دریا و پہاڑ، درخت اور آگ وغیرہ کو معبود سمجھ کر اُن کی پرستش کرنے لگے اور اب بھی مختلف ملکوں اور متعدد قوموں میں آب و تاب کے ساتھ رنگ برنگ خود ساختہ دلائل سے اس کجروی کی ترویج کی جا رہی ہے۔ اور لوگ اس سے غافل ہیں ؎

بدل کے بھیس زمانے میں پھر سے آتے ہیں
اگرچہ پیر ہے آدم جواں ہیں لات و منات

الغرض خدا تعالیٰ کی رضاجوئی اور فطرت اللہ کے موافق زندگی بسر کرنا وحی الٰہی کے بغیر بالکل ناممکن ہے۔ کیونکہ انسان خواہ کتنا ہی ترقی کر جائے اور اپنے علم و واقفیت کو کیسے ہی اعلیٰ سے اعلیٰ معیار اور مقام تک پہنچائے پھر بھی وہ بغیر امداد خداوندی اور وحی الٰہی کے اور بدون رہبریٔ رسول اور راہ نمائی نبی کے نہ تو اپنی سعادت اور نجاتِ اُخروی کے طریقوں سے واقف ہو سکتا ہے اور نہ نیکی اور بدی کا پورا تعیّن کر سکتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام اور ہادیان برحق علیہم السّلام کے ذریعہ انسان کو توجہ دلائی ہے کہ تمہاری جسمانی پیدائش، بدنی پرورش اور روحانی تربیّت کے تمام سامانوں

کا پیدا اور مہیّا کرنے والا صرف تمہارا حقیقی پروردگار ہے اور اس کی ربوبیت کے بغیر نہ تو تمہارا وجود ممکن ہے اور نہ تمہاری روحانی ترقی اور مقصدِ حیات سے ہمکنار اور فائزالمرام کرنے کا کوئی اور موجب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہادیانِ برحق کو تعلیم ربّانی پیش کرنے کا نہایت مُدلّل و پُراثر و دل نشین اور یقین آور ملکہ عطا فرمایا جس سے جاہل و عالم و دیہاتی و شہری، نوجوان و بوڑھا مرد و عورت، غرض ہر طبقہ اور ہر حیثیت کا آدمی یکساں متاثر و مستفید ہوتا رہا اور اب بھی مستفیض ہو سکتا ہے ؎

انوارِ نبوّت سے اب تک دن رات میں اک تابانی ہے ‏ ‏ اے مہرِ درخشاں کیا کہنا اے شمعِ شبستاں کیا کہنا

اور ان سب کے بعد اللہ تعالےٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو کامل و مکمّل دین، ناقابلِ ترمیم و تنسیخ شریعت اور معراجِ کمال تک پہنچانے والا بہترین اسوۂ حسنہ دے کر مبعوث فرمایا۔ جو تمام عالم کی ہدایت اور رہبری کے لیے بھیجے گئے۔

چونکہ آپ وحی الٰہی کے مہبط اور خداوند تعالیٰ کے مخاطب اور احکام خداوندی کے سب سے پہلے تعمیل کنندہ اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے خواہاں اور سب سے بڑھ کر حق تعالےٰ کے فرمانبردار اور مطیع تھے اور خدا تعالیٰ نے آپ کو لوگوں کے لیے مکمل نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا تھا، لہٰذا وہی سب سے بہتر وحی الٰہی کے منشاء و مراد کے سمجھنے اور سمجھانے والے تھے اور اسی لیے آپ کی اطاعت عین خدا تعالےٰ کی اطاعت ہے، اور آپ ہی کے مکمل نمونے کی پیروی سے دینِ حق دنیا میں قائم ہے۔ آپؐ کا ہر ایک حکم دین کے معاملہ میں ایسا ہی واجب التعمیل اور ضروری ہے جیسا کہ خدا تعالےٰ کا حکم اور ظاہر ہے کہ آپ کا ہر ایک حکم خدا تعالےٰ ہی کے منشا کے ماتحت ہوتا تھا۔ خدا تعالیٰ کے حکم کے خلاف آپ کسی کو کوئی حکم نہیں دیتے تھے۔ اگر کسی موقع پر آپ سے کوئی اجتہادی لغزش سرزد ہوتی تھی تو اللہ تعالیٰ تنبیہ نازل فرما کر اصلاح فرما دیا کرتا تھا۔ اور اس لغزش پر آپ کو ہرگز برقرار نہیں رکھا جاتا تھا۔

آپ کے ایسے احکام کو جو قرآن کریم کے سوا ہیں، وحی خفی اور حدیث کہتے ہیں۔ اور یہ ایک واشگاف حقیقت ہے کہ صحیح وحی خفی اور حدیث یقیناً وحی جلی اور قرآنِ کریم ہی کی تفسیر اور اس کی تشریح ہے، اس کی مخالف ہرگز نہیں۔

قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اطاعت اور اتّباع کا حکم دیا گیا اور آپ کی نافرمانی سے منع کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ امّت کے لیے آپ بہترین نمونہ ہیں، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے:۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (پ۵۔ النساء۔ ۱۱)

جس نے رسولؐ کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی۔

نیز فرمایا کہ:۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (پ۳۔ آلِ عمران۔ ۴)

اے رسول! آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبّت کرنا چاہتے ہو تو تم میری اتّباع کرو اللہ تعالیٰ بھی تم سے محبّت کرے گا۔

اور ایک جگہ یوں ارشاد فرمایا ہے:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ (پ۲۱۔ احزاب۔ ۳)

مسلمانو! تمہارے واسطے جناب رسول اللہ کا طرزِ عمل پیروی کے لیے بہترین نمونہ ہے۔

غرض کہ جیسے آپ کی ہستی مخلوقِ خدا میں سب سے اعلیٰ وارفع ہے اسی طرح آپ کا اُسوۂ حسنہ بھی بے مثل۔ اور بے نظیر ہے، جس کا تمام عالم میں کوئی بدل ہی نہیں ہے ؎

شرابِ خوشگوارم ہست ویار مہرباں ساقی
ندارد ہیچکس یارے چنیں یارے کہ من دارم!

جس طرح قرآن کریم میں آپ کی اطاعت اور اتّباع کو اُمّت کے لیے لازم قرار دیا گیا ہے اور تمام اُمّت پر آپ کے عمدہ ترین اُسوۂ حسنہ کی پیروی ضروری بتائی گئی ہے

اسی طرح خود آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بھی عیاں الفاظ میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

لا یؤمن احدکم حتٰی یکون هواہ تبعًا لما جئتُ به رواہ فی شرح السنۃ وقال النووی فی اربعینہٖ هذا حدیث صحیح (مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۳۰)	تم میں کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ اس کی خواہش میری خواہش کے تابع نہ ہو۔

اور پروردگارِ عالم نے قسم اُٹھا کر یہ حُکم بیان کیا ہے کہ تیرے رَبّ کی (یعنی مجھے اپنی ذات کی) قسم کہ یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتے تاوقتیکہ آپ کو ہر بات اور ہر معاملہ میں اپنا فیصل اور حَکَم تسلیم نہ کریں اور پھر دل میں ذرّہ بھر تنگی محسوس نہ کریں اور آپ کے حکم کے سامنے گردنِ تسلیم خم نہ کریں۔ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ الآیۃ۔ اس کے بعد بھی اگر کسی آبلہ فریب کو یہ مغالطہ ہو کہ آنحضرت صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا حکم اور آپ کی اطاعت اور اتبّاع ہمارے لیے لازم نہیں اور آپ کے ارشادات کی حیثیت محض تاریخی واقعات کی سی ہے۔ جن کے انکار سے کفر لازم نہیں آتا تو اس ہٹ دھرمی کا علاج یہاں نہیں بلکہ کسی اور جہان ہی میں ہوسکتا ہے اور خود حالات اس کو بتائیں گے کہ دارِ فانی میں اس کا کن سے عشق و پیار تھا اور دنیا میں اُس نے کیا کمایا اور کیا کھویا۔ ؎

بوقتِ صبح شود، ہمچو روزِ معلومت
کہ باکہ باختۂ عشق در شبِ دیجور

اُسوۂ حسنہ کی جامعیت

دُنیا میں جتنے بھی رسُول اور نبی تشریف لائے ہیں ہم ان سب کو سچا مانتے اور اُن پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں اور ایسا کرنا ہمارے فریضہ اور عقیدہ میں داخل ہے۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ مگر اس ایمانی اشتراک کے باوجود بھی

ان میں سے ہر ایک میں کچھ ایسی نمایاں خصوصیات اور کچھ جداگانہ کمالات و فضائل ہیں جن کو تسلیم کئے بغیر ہرگز کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ مثلاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے انبیاء و رسل علیہم السّلام تشریف لائے ہیں تو ان سب کی دعوت کسی خاص خاندان اور کسی خاص قوم سے مخصوص رہی، حضرت نوح علیہ السلام تشریف لائے تو اپنی دعوت کو صرف اپنی ہی قوم تک محدود رکھا۔ حضرت ہودؑ علیہ السلام جلوہ افروز ہوئے تو فقط قوم عاد کو خطاب کیا۔ حضرت صالح علیہ السّلام مبعوث ہوئے تو محض قومِ ثمود کی فکر لے کر آئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوم کے پیغمبر تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نبی اسرائیل کو نجات دلانے کے لیے بھیجے گئے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو بس بنی اسرائیل کی کھوئی بھیڑوں کی تلاش اور سُراغ میں نکلے تھے۔ جب غیروں نے اُن کے روحانی کمالات سے استفادہ کرنے کی اپیل کی تو اس نے جواب میں کہا۔ لڑکوں کی روٹی لے کر کتّوں کو ڈال دینا اچھا نہیں (انجیل متی۔ باب ۱۵۔ آیت ۲۶)

یہی وجہ تھی کہ ان پیغمبروں میں سے کسی ایک نے بھی اپنی قوم سے باہر نظر نہیں ڈالی لیکن جب رحمتِ خداوندی کی وہ عالمگیر گھٹا جو فاران کی چوٹیوں سے اُٹھی تھی جس سے انسانیت و شرافت، دیانت و امانت، عدل و انصاف اور تقویٰ و ورع کی مرجھائی ہوئی کھیتیاں پھر سے سرسبز و شاداب ہو کر لہلہا اٹھیں۔ وہ قوم و جماعت، ملک و زمین، مشرق و مغرب شمال و جنوب اور برّ و بحر کی تمام قیدوں اور پابندیوں سے بالکل آزاد تھی۔ وہ بلا امتیاز وطن و ملّت، بلا تفریقِ نسل و خاندان، بدوں تمیز رنگ و خون بغیر لحاظِ سیاہ و سپید اور بے اعتبار حسب و نسب تاقیامت پوری نسلِ انسانی کے لیے رحمتِ مُہداۃ بن کر نمودار ہوئی اور ربّ ذوالاحسان نے خود آپ ہی کی زبان فیض رساں سے یہ اعلان کروایا کہ :۔

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (پ۹۔اعراف۔ع۱۹)
آپ کہہ دیجیے کہ اے لوگو! بے شک میں تم سب کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

وہ ابرِ کرم اٹھا تو فاران کی چوٹیوں سے، مگر سب روئے زمین پر پھول برساتا اور مژدۂ جانفزا سناتا ہوا چھا گیا اور پوری دھرتی کے چپہ چپہ پر خوب کھِلکھلا کر برسا دشت و صحرا نے اُس سے آسودگی حاصل کی۔ بحر و بر اس سے سیراب ہوئے چمنستانوں نے اس سے رونق پائی اور ویرانوں کو اس کی فیض پاشی نے لعل و گوہر سے معمور کر دیا۔ اہلِ عرب اس سے مستفید ہوئے۔ باشندگانِ عجم نے اُس سے اکتسابِ فیض کیا۔ یورپ نے اس کی خوشہ چینی کی اور ایشیا اس کا گرویدہ بنا۔ دُنیا کے تمام گمراہوں کو وادیٔ ضلالت سے نکالنے کی اس نے راہ نمائی کی۔ اور آوارگانِ دشتِ غوایت کی رہبری کی۔ اور نسلِ انسانی کے سب مایوس مریضوں اور ہر قسم کے ناامید بیماروں کو زود اثر تریاق اور نسخۂ شفا بخشا۔

اُتر کر حرا سے سوئے قوم آیا!
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی نبوّت و رسالت صرف نسلِ انسانی ہی کے لیے نہیں بلکہ جنّات بھی اس امر کے مکلّف اور پابند ہیں کہ آپ کی نبوّت و رسالت کا اقرار کر کے آپ کی شریعت پر عمل پیرا ہو کر اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور نجاتِ اُخروی تلاش کریں۔ ثقلین (انس و جنّ) کا مکلّف ہونا نیز جنّات کا قرآن کریم کو غور و فکر سے سُن کر اس پر ایمان لانا اور پھر جا کر اپنی قوم کو تبلیغ کرنا قرآن مجید میں مصرّح ہے اور عالمین کے مفہوم میں جنّات بھی شامل ہیں اور قرآنِ کریم میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ آپ کو تمام جہانوں کے لیے نذیر بنا کر بھیجا گیا:۔ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا۔

اور خود جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلّم نے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

ارسلت الی الاحمر والاسود قال مجاھدؒ الانس والجن (مستدرک جلد ۲ ص۴۲۴ قال الحاکمؒ والذھبیؒ علیٰ شرطھما)

مجھے سُرخ اور سیاہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہے حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ سُرخ سے انسان اور سیاہ سے جن مراد ہیں۔

جو مکارمِ اخلاق آپ کو خالقِ کونین کی طرف سے مرحمت ہوئے تھے اور جن کی تکمیل کے لیے آپ کو اس دُنیا میں بھیجا گیا تھا وہ مکلّف مخلوق کی فطرت کے جملہ مقتضیات کے عین مطابق تھے اور جن کا مقصد صرف یہی نہ تھا کہ اُن کے ذریعہ رُوحانی مریضوں کو اُن کے بستروں سے اٹھا دیا جائے بلکہ یہ بھی تھا کہ اُٹھنے والوں کو چلایا جائے اور چلنے والوں کو بسُرعت دوڑایا جائے اور دوڑنے والوں کو روحانی کمال اور اخلاقی معراج کی غایتہ قصوٰی تک اور سعادتِ دُنیوی ہی نہیں بلکہ سعادتِ دارین کی سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا جائے اور اُن کا خوانِ نعمت فقط مریضوں کے لیے قوّت بخش اور صحت افزا نہ ہو بلکہ وہ تمام مکلّف مخلوق کی اصل فطری اور روحانی لذیذ غذا بھی ہو اور آپ کے مکارمِ اخلاق اور اُسوۂ حسنہ نے وہ تمام ممکن اسباب مہیّا کر دیے ہیں کہ خلقِ عظیم کی بلند اور دُشوار گزار گھاٹی پر چڑھنا آسان اور سہل ہو گیا ہے۔ آپ کی بعثت کے اغراض و مقاصد میں سے ایک اہم مقصد یہ بھی تھا جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ :۔

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ صَالِحَ الْاَخْلَاقِ وفی روایۃ مکارم الاخلاق (قال الشیخ حدیث صحیح۔ السراج المنیر ج۲ ص۷۴)

مجھے تو اس لیے مبعوث کیا گیا ہے تاکہ میں نیک خصلتوں اور مکارمِ اخلاق کی تکمیل کروں۔

اور یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ جس طرح دیگر انبیاء کرام علیہم السّلام خاص خاص جماعتوں اور مخصوص قوموں کے لیے مُصلح اور پیغمبر تھے، اسی طرح اُن کی روحانیت اور اخلاقی آئینے بھی خصوصی صفات اور اصناف کے مظہر تھے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السّلام

مجرم اور نافرمان قوم کی نجات کے لیے باوجود قوم کی ایذا رسانی کے سعی بلیغ کی زندہ یادگار تھے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السّلام اخلاص و قربانی کی مجسّم مثال تھے کہ انہوں نے اپنے اکلوتے اور عزیز ترین لختِ جگر کو خدا تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لیے اپنی طرف سے ذبح کر ہی ڈالا اور اس کے حکم کی تعمیل میں کسی قسم کی کوتاہی اور کمزوری نہ دکھائی، جس کی ایک ادنیٰ اور معمولی سی برائے نام نقل آج بھی ہر صاحبِ استطاعت مسلمان اُتارتا اور سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاهِیْمَ کی پیروی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ یہ جُدا بات ہے کہ ؎

تیری ذبحِ ذبحِ عظیم کی ہو مثیل کیوں کہ خلوص میں
نہ خلیل کا سا ہے دلِ تیرا نہ ذبیح کا سا گلا تیرا

حضرت ایوّب علیہ السّلام صبر و رضا کے پیکر تھے، مصائب و آلام کے بے پناہ سیلاب بہ گئے مگر وہ مضبوط پہاڑ کی طرح اپنی جگہ ثابت رہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی جُرأتِ حق کا ایک اعلیٰ نمونہ تھی، کہ فرعون جیسے جابر اور مطلق العنان بادشاہ کے دربار میں ساون کے بادلوں کی طرح گرج اور صاعقۂ آسمانی کی طرح کڑک کر تہلکہ ڈال دیتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السّلام کی صبر آزما حیات یادگارِ دہر تھی کہ اپنے ہی بیٹوں کے ہاتھ سے پیارے یوسفؑ کے سلسلہ میں اذیّت اور دکھ اٹھا کر فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ فرما کر خاموش ہو گئے۔ اور اندر ہی اندر آنسوؤں کے طوفان موجیں مارتے ہوئے ساحلِ اُمید سے ٹکراتے رہے اور نااُمیدی کو قریب نہیں آنے دیا کہ ؏

نگاہِ لطف کے اُمیدوار ہم بھی ہیں

حضرت یوسف علیہ السّلام کی عفّت مآب زندگی پاکدامن نوجوانوں کے لیے باعثِ صد افتخار ہے کہ انہوں نے اِمرأۃ عزیز کی تمام مکّاریوں اور حیلہ جوئیوں کی استخواں شکن زنجیروں کی ایک ایک کڑی کو معاذ اللہ فرماتے ہوئے پاش پاش کر دیا۔

حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی شاہانہ زندگی ان سب سے نرالی تھی کہ قبائے سلطنت اور عبائے خلافت اوڑھ کر مخلوقِ خدا کے سامنے ظہور پذیر ہوئے اور اس طریقہ سے عدل و انصاف کے مطابق ان کی خدمت کا عمدہ فریضہ انجام دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام توکّل وقناعت، زُہد و خود فراموشی کی ایک پوری کائنات تھے کہ زندگی بھر سر چھپانے کے لیے ایک جھونپڑی بھی نہیں بنائی اور فرمایا "اے لوگو! یہ کیوں سوچتے ہو کہ کیا کھاؤ گے؟ فضا کی چڑیوں کے لیے کاشتکاری کون کرتا ہے؟ اور اُن کے مُنہ میں خوراک کون ڈالتا ہے؟ ۔ اے لوگو! تمہیں اس کی کیا فکر ہے اور تم یہ کیوں سوچتے ہو کہ کیا پہنو گے؟ جنگل کی سوسن کو اتنی دیدہ زیب پوشاک اور خوبصورت لباس کون پہناتا ہے؟

یہ تمام بزرگ اور مقدس ہستیاں اپنے اپنے وقت پر تشریف لائیں اور بعد حضرت مسیح علیہ السلام سب دُنیا سے رخصت ہوگئیں لیکن جب قصرِ نبوّت اور ایوانِ رسالت کی آخری اینٹ کا ظہور ہوا جس کی انتظار میں دہرِ کہن سال نے ہزاروں برس صرف کر دیئے تھے۔ آسمان کے ستارے اسی دن کے شوق میں ازل سے چشم براہ تھے۔ اُن کے استقبال کے لیے لیل و نہار بے شمار کروٹیں بدلتے رہے۔ اُن کی آمد سے محض کسریٰ کے محل کے چودہ کنگرے ہی نہیں بلکہ رسمِ عرب، شانِ عجم، شوکتِ روم، فلسفۂ یونان اور اوجِ چین کے قصر ہائے فلک بوس گر کر آنِ واحد میں پیوندِ زمین ہو گئے، تو پورے کرۂ ارض کے لیے ایک عالمگیر سعادت اور ایک ہمہ گیر رحمت لے کر آئی۔ آپ کا وجُودِ مقدس روحانیّت کے تمام اصناف کی ایک خوشنما کائنات، اخلاقِ حسنہ کی ایک دلآویز جاذبیت، اور رنگ برنگ گُل ہائے اخلاق کا ایک پورا چمنستان تھا۔ اُمّتِ مرحومہ کے لیے حضرت نوح علیہ السلام کی دلسوزی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خُلّت، حضرت ایوب علیہ السلام کا صبر، حضرت

داؤد علیہ السّلام کی مناجات، حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی جرأت، حضرت ہارون علیہ السّلام کا تحمّل، حضرت سلیمان علیہ السّلام کی سلطنت، حضرت یعقوب علیہ السّلام کی آزمائش حضرت یوسف علیہ السّلام کی عِفّت، زکریا علیہ السّلام اور حضرت یحییٰ علیہ السّلام کی تقرّب الٰہی کے لیے گریہ وزاری اور حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسّلام کا توکّل ۔ یہ تمام منتشر اوصاف آپ کے وجودِ مسعود میں سمٹ کر جمع اور یکجا ہو چکے تھے ۔ سچ ہے کہ ؎

حُسنِ یُوسف دمِ عیسٰے یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

غرض کہ دیگر انبیاء کرام علیہم السّلام میں سے ہر ایک کی زندگی خاص خاص اوصاف میں نمونہ اور اُسوہ تھی ۔ مگر سرورِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اعلیٰ وارفع زندگی تمام اوصاف واصناف میں ایک جامع زندگی ہے ۔

آپ کی سیرت مکمل اور آپ کا اسوۂ حسنہ ایک کامل ضابطۂ حیات اور دستُور ہے ۔ اس کے بعد اصولی طور پر کسی اور چیز کی سرے سے کوئی حاجت ہی باقی نہیں رہ جاتی اور نہ کسی اور نظام وقانون کی ضرورت ہی محسوس ہو سکتی ہے ؎

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اُٹھتے نہیں ہیں ہاتھ مرے اس دعا کے بعد

اگر آپ بادشاہ اور سربراہِ مملکت ہیں تو شاہِ عرب اور فرماں روائے عالم کی زندگی آپ کے لیے نمونہ ہے ۔ اگر آپ فقیر ومحتاج ہیں تو کمبلی والے کی زندگی آپ کے لیے اُسوہ ہے ، جنہوں نے کبھی دقل (ردّی قسم کی کھجُوریں) بھی پیٹ بھر کر نہ کھائیں ۔ اور جن کے چولہے میں بسا اوقات دو دو ماہ تک آگ نہیں جلائی جاتی تھی اگر آپ سپہ سالار اور فاتح ملک ہیں تو بدر وحُنین کے سپہ سالار اور فاتح مکّہ کی زندگی آپ کے لیے ایک بہترین سبق ہے جس نے عفو وکرم کے دریا بہا دیئے تھے ۔

اور لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ کا خوش آئند اعلان فرما کر تمام مجرموں کو آنِ واحد میں معافی کا پروانہ دے کر بخش دیا تھا۔

اگر آپ قیدی ہیں تو شعبِ ابی طالب کے زندانی کی حیات آپ کے لیے درسِ عبرت ہے۔ اگر آپ تارکِ دنیا ہیں تو غارِ حرا کے گوشہ نشین کی خلوت آپ کے لیے قابلِ تقلید عمل ہے۔

اگر آپ چرواہے ہیں تو مقام اجیاد میں آپ کو چند قراریط (ٹکڑوں) پر اہلِ مکّہ کی بکریاں چراتے دیکھ کر تسکینِ قلب حاصل کر سکتے ہیں۔

اگر آپ معمار ہیں تو مسجدِ نبوی کے معمار کو دیکھ کر ان کی اقتدا کر کے خوشی محسوس کر سکتے ہیں۔ اگر آپ مزدور ہیں تو خندق کے موقع پر اُس بزرگ ہستی کو پھاوڑا لے کر مزدوروں کی صف میں دیکھ کر اور مسجد نبوی کے لیے بھاری بھر کم وزنی پتھّر اٹھا اٹھا کر لاتے ہوئے دیکھ کر قلبی راحت حاصل کر سکتے ہیں۔

اگر آپ مجرّد ہیں تو اس پچیس سالہ نوجوان کی پاکدامن اور عفّت مآب زندگی کی پیروی کر کے سرورِ قلب حاصل کر سکتے ہیں جس کو کبھی کسی بدترین دشمن نے بھی داغدار نہیں کیا اور نہ کبھی اس کی جرآت کی ہے۔

اگر آپ عیال دار ہیں تو آپ متعدّد ازواجِ مطہرات کے شوہر کو اَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِيْ فرماتے ہوئے سُن کر جذبۂ اتّباع پیدا کر سکتے ہیں۔

اگر آپ یتیم ہیں تو حضرت آمنہ کے لعل کو یتیمانہ زندگی بسر کرتے دیکھ کر آپ کی پیروی اور تأسّی کر سکتے ہیں۔

اگر آپ ماں باپ کے اکیلے بیٹے ہیں اور بہنوں اور بھائیوں کے تعاون و تناصر سے محروم ہیں تو حضرت عبداللہ کے اکلوتے بیٹے کو دیکھ کر اشک شوئی کر سکتے ہیں۔

اگر آپ باپ ہیں تو حضرت زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ، فاطمہؓ، قاسمؓ اور ابراہیم

(وغیرہ) کے شفیق و مہربان باپ کو ملاحظہ کر کے پدرانہ شفقت پر آمادہ ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ تاجر ہیں تو حضرت خدیجہؓ کے تجارتی کاروبار میں آپ کو دیانتدارانہ سعی کرتے ہوئے معائنہ کر سکتے ہیں۔

اگر آپ عابد شب خیز ہیں تو اُسوۂ حسنہ کے مالک کے متورّم قدموں کو دیکھ کر اور اَفَلَا اَکُوْنَ عَبْدًا شَکُوْرًا فرماتے ہوئے آپؐ کی اطاعت کو ذریعہ تقرّب خداوندی اختیار کر سکتے ہیں۔

اگر آپ مسافر ہیں تو خیبر و تبوک وغیرہ کے مسافر کے حالات پڑھ کر طمانیتِ قلب کا وافر سامان مہیّا کر سکتے ہیں۔

اگر آپ امام اور قاضی ہیں تو مسجدِ نبوی کے بلند رُتبہ امام اور فصلِ خصومات کے بے باک اور مُنصف مدنی جج کو بلا امتیاز قریب و بعید اور بغیر تفریقِ قوی و ضعیف فیصلہ صادر فرماتے ہوئے مشاہدہ کر سکتے ہیں اور اگر آپ قوم کے خطیب ہیں تو خطیب اعظم کو منبر پر جلوہ افروز ہو کر بلیغ اور مؤثر خطبہ ارشاد فرماتے ہوئے اور غافل قوم کو اِنِّیۡ اَنَا النَّذِیْرُ الْعُرْیَانِ فرما کر بیدار کرتے ہوئے ملاحظہ کر سکتے ہیں۔ الغرض زندگی کا کوئی قابلِ قدر اور مستحقِ توجہ پہلو اور گوشہ ایسا باقی نہیں رہ جاتا جس میں سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی معصوم اور قابلِ اقتداء زندگی ہمارے لیے بہترین نمونہ، عمدہ ترین اُسوہ اور اعلیٰ ترین معیار نہ بنتی ہو۔

پس اُس وجودِ قدسی پر لاکھوں بلکہ کروڑوں درُود و سلام، جس کے وجودِ مسعود میں ہماری زندگی کے تمام پہلو سمٹ کر آجاتے ہیں اور ہماری رُوح کا ایک ایک گوشہ عقیدت و اخلاص کے جوش سے معمور ہو جاتا ہے جب ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ دنیا کے لعل و گوہر کا جو پائدار خزانہ تمام ارض و سما اور بحر و بر چھان ڈالنے کے بعد بھی کسی قیمت پر جمع نہیں ہو سکتا تھا وہ انمول خزانہ اُمّت مرحومہ کو اپنے پیارے نبی کے

اُسوۂ حسنہ اپنے برگزیدہ رسول کی سنّتِ صحیحہ اور اپنے مقبوُل رسول کے معدنِ حدیث کی ایک ہی کان اور معدن سے فراہم ہوگیا ہے۔ اور قرآن کریم کے بعد ہماری تمام بیماریوں کا مداوا حدیث پاک میں علیٰ وجہ الاتم موجود ہے ؎

اصل دین آمد کلام اللہ معظم داشتن   پس حدیثِ مصطفےٰ بر جاں مسلّم داشتن

فتنۂ انکارِ حدیث

مذہبی لحاظ سے سطحِ ارضی پر اگرچہ بے شمار فتنے رُونما ہو چکے ہیں۔ اب بھی موجود ہیں اور تا قیامت باقی رہیں گے۔ لیکن فتنۂ انکارِ حدیث اپنی نوعیت کا واحد فتنہ ہے باقی فتنوں سے تو شجرۂ اسلام کے برگ و بار کو ہی نقصان پہنچتا ہے لیکن اس فتنہ سے شجرۂ اسلام کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں اور اسلام کا کوئی بدیہی سے بدیہی مسئلہ بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔

اس عظیم فتنہ کے دست بُرد سے عقائد و اعمال، اخلاق و معاملات، معیشت و معاشرت اور دُنیا و آخرت کا کوئی اہم مسئلہ بھی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ حتیٰ کہ قرآن کریم کی تفسیر اور تشریح بھی کچھ کی کچھ ہو کر رہ گئی ہے۔ اور اس فتنہ نے اسلام کی بساط کہُن الٹ کر رکھ دی ہے۔ جس سے اسلام کا نقشہ ہی بدل چکا ہے، سچ ہے ؎

ستم کیشی کو تیری کوئی پہنچا ہے نہ پہنچے گا
اگرچہ ہو چکے ہیں تجھ سے پہلے فتنہ گر لاکھوں

نزولِ وحی کے زمانہ سے لے کر تقریباً پہلی صدی تک صحیح احادیث کو بغیر کسی تفصیل کے متفقہ طور پر حُجّت سمجھا جاتا تھا اور حسبِ مراتب عقائد و اعمال اور اخلاق و معاملات وغیرھا میں قرآن کریم کے بعد احادیثِ صحیحہ سے بلا چُون و چرا استدلال و احتجاج درست سمجھا جاتا اور احادیث کو دینی حیثیت سے پیش کیا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ بعض فتنہ گر اور خواہش زدہ فرقے ظاہر ہوئے جن میں پیش پیش معتزلہ تھے

جن کا پیشوائے اوّل واصل بن عطاء المتولد ۸۰ھ تھا۔ جن کے نزدیک دلائل و براہین کی مد میں ایک سب سے بڑا معیار و مقیاس عقل بھی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے راحت قبر و عذابِ قبر، حشر و نشر کے بعض حقائق، رؤیت باری تعالیٰ شفاعت، صراط و میزان اور جنّت و دوزخ وغیرہ وغیرہ کے بہت سے حقائق ثابتہ اور کیفیّات کو اپنی عقل نارسا کی زنجیروں میں جکڑ کر اپنی خام عقل کی ترازو سے تولنا چاہا اور راہ راست سے بھٹک کر ورطۂ ضلالت میں اوندھے مُنہ گر پڑے اور اس سلسلہ میں وارد شدہ تمام احادیث کو ناقابلِ اعتبار قرار دے کر یُوں گلو خلاصی کی ناکام اور بے جا سعی کی۔ اور جن کا آسانی سے انکار نہ کر سکے ان کی نہایت ہی لچر اور رکیک تاویلات شروع کر دیں تا آنکہ بعض قرآنی حقائق اور نصوص قطعیہ بھی ان کی دُور از کار اور لاطائل تاویلات سے محفوظ نہ رہ سکے جو بزبانِ حال ان کی اس تحریف کی وجہ سے اُن پر لعنت کا تحفہ بھیجتے ہیں۔

معتزلہ اور ان کے ہی خواہوں کے علاوہ باقی سب اسلامی (یا منسوب بہ اسلام) فرقے صحیح احادیث کو برابر حُجّت تسلیم کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ مشہُور محدّث حافظ ابن حزمؒ (المتوفی ۴۵۶ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ اہلِ سُنّت، خوارج، شیعہ اور قدریہ تمام فرقے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی اُن احادیث کو جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں، برابر حُجّت تسلیم کرتے رہے۔ یہاں تک کہ پہلی صدی کے بعد متکلمین معتزلہ آئے اور انہوں نے اس اجماع کے خلاف کیا (الاحکام جلد ۱ ص ۱۱۴ لابن حزمؒ) اس کے بعد یہ مُہلک فتنہ رفتہ رفتہ اپنا نطاق اور حلقہ وسیع کرتا چلا گیا اور بہت سے بندگانِ خواہشات و اہواء اس فتنہ کے دام ہم رنگ زمین میں اُلجھ کر رہ گئے۔ اور یُوں اپنی عاقبت برباد کر دی۔ نعوذ باللہ من سوء العاقبۃ۔

کتابی شکل میں اس خبیث فتنہ کی خبر سب سے پہلے مقتدائے اہلسنّت حضرت امام شافعیؒ (المتوفی ۲۰۴ھ) نے اپنے رسالہ اُصولِ فقہ میں لی ہے جو اُن کی مشہور کتاب

الازہر کی ساتویں جلد کے ساتھ منضم اور بہت مفید اور مدلل رسالہ ہے۔

حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱ھ) نے بھی اطاعتِ رسول کے اثبات میں ایک مستقل کتاب لکھی اور قرآن و حدیث سے مخالفین کی خوب معقول تردید کی ہے جس کا کچھ حصہ حافظ ابن القیمؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) نے اپنی تالیف اعلام الموقعین (جلد ۲ ص ۲۱۷) میں نقل کیا ہے۔

علماء اہلِ مغرب میں سے شیخ الاسلام ابوعمر ابن عبدالبرؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) نے اپنی شہرہ آفاق کتاب جامع بیان العلم وفضلہ میں اس فرقے کے بعض باطل اور حیاسوز نظریات کی دھجیاں فضائے آسمانی میں بکھیری ہیں۔ ایسے ہی بعض بدباطن اور زائغین سے امام حاکمؒ (المتوفی ۴۰۵ھ) کو بھی سابقہ پڑا تھا۔ جن کی شکایت انہوں نے مستدرک جلد ۱ ص ۳ میں کی ہے کہ وہ رواتِ حدیث پر سبّ وشتم کرتے اور ان کو موردِ طعن قرار دیتے ہیں اور علامہ ابنِ حزمؒ نے الاحکام میں اس باطل گروہ کے کاسد خیالات کے بخیئے ادھیڑے ہیں اور ٹھوس عقلی اور نقلی دلائل سے اُن کا خوب رد کیا ہے اور امام غزالیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ) نے اپنی معروف تصنیف المستصفٰی میں اس گمراہ طائفہ کے مزعوم دلائل کے تار دپود بکھیر کر رکھدیئے۔ اور عقلی دلائل کے بے پناہ سیلاب میں اس گمراہ کن ٹولہ کے خودساختہ براہین کو خس وخاشاک کی طرح بہادیا ہے حافظ محمدؒ بن ابراہیمؒ وزیر یمانیؒ (المتوفی ۸۴۰ھ) نے اس حزبِ باطل کی تردید میں اپنی انوکھی تالیف الروض الباسم میں کافی وزنی اور ٹھوس دلائل پیش کئے ہیں۔ اور حضرت امام سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) نے بھی اس ناپاک فرقہ کی مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ میں خوب تردید کی ہے اور دینِ قویم کی حفاظت کا حق ادا کیا ہے۔ ان کے علاوہ بھی متعدد علمائے حق نے حدیث کے حجت ہونے اور نہ ہونے کے مثبت اور منفی پہلو پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور اس باطل اور گمراہ کن نظریہ کی کہ "حدیث حجت نہیں ہے"

اچھی خاصی تردید کی ہے۔ اور معقول و مبنی بر انصاف دلائل کے ساتھ حق اور اہلِ حق کی طرف سے مدافعت کی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہر دور میں باطل کے مقابلہ میں حق تعالےٰ نے کچھ ایسے نفوسِ قدسیہ پیدا کیے ہیں جن کی علمی و عملی، اخلاقی و روحانی زندگی حق پسند لوگوں کے لیے مشعلِ راہ اور مخالفین کے باطل خیالات کے لیے سدِّ سکندری بنتی رہی ہے۔ جن کے قلموں اور زبانوں نے تلواروں اور نیزوں کی طرح باطل پرستوں کے پیش کردہ دلائل کو مجروح کر کے رکھ دیا ہے۔ اور قبائے باطل کے ایسے بخیئے اُدھیڑے ہیں کہ تمام رفوگر مل کر بھی اُن کو جوڑتے سے رہے۔ سچ ہے لِکُلِّ فِرْعَوْنٍ مُوْسیٰ علامہ اقبالؒ کی زبان سے ؎

شعلہ بن کر پھونک دے خاشاکِ غیر اللہ کو
خوفِ باطل کیا کہ ہے غارت گرِ باطل بھی تو

دَورِ حاضر کے مُنکرینِ حدیث

اگرچہ دَورِ حاضر کے مُنکرینِ حدیث مختلف طبقات اور متعدّد افکار و نظریات میں بٹے ہوئے ہیں اور انکارِ حدیث کے کچّے دھاگے کی بودی لڑی میں منسلک ہونے کے باوجود بھی وہ بجائے ایک دوسرے کے نظریات اور افکار میں قریب ہونے کے بعید تر ہیں تَحْسَبُهُمْ جَمِيْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى۔

ان تمام کے نظریات و افکار اور عقائد و اخلاق کا بتانا اور مسلمانوں کے سامنے پیش کرنا تو ہمارے حیطۂ امکان سے بالکل باہر ہے اور بغیر اس کے کہ مسلمان ان کے باطل نظریات کو پڑھ کر لاحول پڑھ کر دادِ تحسین دیں اور ان سے نفرت کا اظہار کریں۔ اور فائدہ بھی بھلا کیا ہو سکتا ہے؟ مگر مثال مشہور ہے کہ مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ۔

ہم ان میں سے بعض چیدہ چیدہ حضرات کے رجو بزعمِ خود اور بخیالِ اتباع و

اذناب آنہا بڑے محقّق مدقق صاحبِ علم اور اہلِ قلم ہیں) چند عقائد و اقوال اور نظریات و افکار خود انہیں کی عبارات و تحریات سے بقید کتاب و صفحہ پیش کرتے ہیں تاکہ مسلمان ان کے خیالات و رجانات سے قدرے واقف و آگاہ ہوجائیں۔ اور ان کو بھی دعوت الی القرآن کے نظرِ بظاہر دلآویز اور خوشنما مگر درحقیقت حد درجہ مہلک پروگرام کا علم ہوجائے جو "کلمۃ الحق ارید بہا الباطل" کا مصداق ہے اور صرف ان کا قال ہی نہیں بلکہ قال سے گزر کر اُن کے کچھ عقائد و نظریات کا حال بھی خود ان کی زبانی معلوم ہوجائے کیونکہ ؎

اگر ہم عرض کریں گے تو شکایت ہو گی

عبداللہ چکڑالوی

مولوی عبداللہ چکڑالوی بانی فرقہ (نام نہاد) اہل القرآن نے حدیث اور حدیث ماننے والوں کے حق میں جو گوہر افشانی کی ہے اور دلِ ماؤف کی بھڑاس جس انداز سے نکالنے کی لاحاصل کوشش اور کاوش کی ہے وہ ملاحظہ کر لیجئے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

(۱) کتاب اللہ کے مقابلہ میں انبیاء اور رسولوں کے اقوال و افعال یعنی احادیث قولی و فعلی و تقریری پیش کرنے کا مرض ایک قدیم مرض ہے۔ محمد رسول اللہ سلام علیہ کے مقابل و مخاطب بھی قطعی اور یقینی طور اہلِ حدیث ہی تھے۔

(بلفظہٖ ترجمۃ القرآن بآیات القرآن ص۹۷ تحت قولہ تعالیٰ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ)۔

صاف اور صریح الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مقابلہ میں جتنے کفّار اور مشرکین تھے۔ مثلاً ابُوجہل، ابُولہب، عتبہ، شیبہ، اُمیہ بن خلف، ولید بن المغیرہ اور عقبہ بن ابی مُعیط وغیرہ یہ سب کے سب ہی قطعی اور یقینی طور پر اہل حدیث تھے۔ بخاری و مسلم اور دیگر صحاح ستّہ وغیرہ کُتُب حدیث کے پورے حافظ بلکہ محافظ تھے اور جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی قولی و

فعلی اور تقریری حدیث پر عامل تھے۔ بایں ہمہ وہ حضور کی مخالفت پر کمر بستہ تھے اور وہی آپ کے مخاطب تھے۔ مگر مشہور ہے کہ پتھر پر جونک نہیں لگتی۔ اس لیے ان پر کچھ اثر نہ ہو سکا ؎

گہر جو دل میں نہاں ہیں خُدا ہی دے تو ملیں
اُسی کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی

(۲) قرآنِ کریم، حدیث شریف اور اُمّت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ ہر رسول اور نبی اپنی اُمت کے لیے نمونہ اور اُسوہ ہوتا ہے، اس کا قول و فعل (جو لغزش اور تخصیص کی مد میں نہ ہو) تمام اُمّتیوں کے لیے لازم ہوتا ہے اور اس کی اطاعت اور اتّباع کے بغیر نہ تو تقرب خداوندی حاصل ہو سکتا ہے اور نہ نجات اخروی ہی نصیب ہو سکتی ہے اور وہ مُطاع اور مُقتدیٰ ہو کر آتا ہے اور اُمّت مُطیع اور مُقتدی کہلاتی ہے۔

جب ان کا حکم تسلیم کرنا ضروری ہے تو پھر بھلا وہ شرک کیسے ہو سکتا ہے؟ اس پر قرآن کریم کی متعدد آیات دال ہیں مثلاً وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ الآیۃ وغیرہا یعنی ہم نے کوئی رسول ایسا نہیں بھیجا جو خدا تعالیٰ کے حکم سے مُطاع ہو کر نہ آیا ہو۔ لیکن عبداللہ صاحب چکڑالوی کچھ اور ہی کہتے ہیں کہ :۔

"پس کتاب اللہ کے ساتھ شرک کرنے سے یہ مُراد ہے کہ جس طرح کتاب اللہ کے احکام کو مانا جاتا ہے اسی طرح کسی اور کتاب یا شخص کے قول یا فعل کو دینِ اسلام میں مانا جائے خواہ فرضاً جملہ رُسل و انبیاء کا قول یا فعل بھی کیوں نہ ہو۔ جس طرح شرک موجب عذاب ہے اسی طرح مطابق اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ (پ، پ۱۲ ع۱۳، ۵) اور اَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَالْاَمْرُ اور وَلَا يُشْرِكُ فِىْ حُكْمِهٖ اَحَدًا کے شرک فی الحکم یعنی مسائل دین میں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کا حکم ماننا بھی اعمال کا باطل کرنے والا باعث

ابدی و دائمی عذاب ہے۔ افسوس شرک فی الحکم میں آجکل اکثر لوگ مبتلا ہیں"
(بلفظہٖ ترجمۃ القرآن ص۹۸)

چکڑالوی صاحب کی یہ تحقیق انیق یا جہلِ مُرکبؔ ملاحظہ کیجیے کہ نبی اور رسول کا اُسوۂ حسنہ اور اس کا وہ قول و فعل جو خدا تعالیٰ ہی کی طرف سے ہوتا ہے، نہ صرف یہ کہ وہ شرک فی الحکم ہے بلکہ باعثِ ابدی و دائمی عذاب ہے۔ اور آجکل اکثر لوگ اس میں مبتلا ہیں۔ اور اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ وغیرھا جن آیات سے استدلال کیا ہے وہ عجیب و غریب ہے۔ کیونکہ رسول اور نبی کا حکم جو بہ حیثیت رسالت و نبوّت ہوتا ہے وہ خدا تعالیٰ ہی کا حکم ہوتا ہے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مدِّمقابل لاکھڑا کرنا یا اس کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کا حکم کہنا نری حماقت اور نادانی ہے۔ اگر نبی اور رسول کا ذاتی اجتہاد بھی ہو اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ نازل نہ ہوئی ہو تو بھی وہ حسبِ مراتب اُمّت کے لیے لازم ہے کیونکہ خطا اور لغزش پر نبی کو کبھی منجانب اللہ برقرار نہیں رکھا جاتا۔ بخلاف دیگر مجتہدین کے کہ مُدّت العمر بھی وہ خطا کا شکار رہ سکتے ہیں۔ لیکن نبی اور رسُول چونکہ معصوم ہوتے ہیں اس لیے ان کا معاملہ اس کے بالکل برعکس ہوتا ہے۔

(۳) قرآنِ کریم میں آتا ہے کہ جس نے خدا تعالیٰ کے حکم کے مطابق فیصلہ نہ کیا تو وہ کافر، ظالم اور فاسق ہوگا۔ اور دیگر دلائل کے علاوہ خود قرآن کریم ہی سے یہ ثابت ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن کریم نازل ہوا ہے اسی طرح حکمت اور حدیث بھی نازل ہوئی ہے جس کی پوری بحث راقم کی کتاب شوقِ حدیث میں ہے۔ اور رسول کا حکم اور فیصلہ جو حدیث کہلاتا ہے بعینہٖ خدا تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے۔ نہ تو وہ کوئی اور شے ہے اور نہ خدا تعالیٰ کے حکم کے ماسوا ہے لیکن چکڑالوی صاحب کے نزدیک جو شخص حدیث اور سُنّت کو تسلیم کرتا ہے وہ کافر ظالم اور فاسق ہے۔ نتیجہ یہ ہے

کہ صحابہ کرامؓ سے لے کر اس وقت تک کی تمام اُمّت جو حدیث کو بار حجت تسلیم کرتی آئی ہے معاذ اللہ کافر، ظالم اور فاسق ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص مومن، عادل، اور متقی ہے تو صرف وہی ہے جو حدیث کا منکر ہے۔ اور قرآن کریم کو اپنی جہالت اور عناد کی کُند تلوار سے ذبح اور مجروح کرتا ہے۔ (العیاذ باللہ) چکڑالوی صاحب لکھتے ہیں کہ کسی جگہ سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ قرآن کریم کے ساتھ کوئی اور شئے بھی رسول اللہ پر نازل ہوئی تھی (اجی حضرت! یہ قرآن کریم کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے مثلاً" اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ کہ "خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم پر کتاب بھی نازل کی ہے اور سنّت بھی۔ صفدر) اور اگر کوئی شخص کسی مسئلہ میں قرآن کریم کے سوا کسی اور چیز سے دین اسلام میں حکم کرے گا تو وہ مطابق آیات مذکورہ بالا کافر، ظالم اور فاسق ہو جائے گا۔ (بلفظہٖ اشاعۃ القرآن ص۴۲ مطبوعہ ۱۳۲۰ھ ماہ)۔

سُنّت اور حدیث نہ تو خدا تعالیٰ کے حکم کے سوا ہے اور نہ اس کے مخالف اور متضاد بلکہ حدیث خدا تعالیٰ ہی کا حکم ہے۔ جو نبی اور رسول کی زبانِ فیض رساں اور عمل سے ظاہر کیا جاتا ہے۔ اس لیے حدیث کے مطابق حکم کرنے والا تو ہرگز ہرگز کافر، ظالم اور فاسق نہیں اور نہ ہو سکتا ہے، ہاں البتہ خدا تعالیٰ کے رسُول کے حکم کو ترک کر کے اور سنّت سے اعراض کر کے کوئی شخص کبھی مسلمان نہیں ہو سکتا بلکہ وہ یقیناً اور قطعاً کافر اور مرتد ہے اور اس کے کفر میں شک کرنے والا بھی کافر ہے۔ آخر اللہ تعالیٰ کا ارشاد بلاوجہ تو نہیں کہ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ الآیۃ۔

(۴) قرآن کریم سے یہ ثابت ہے کہ دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ دوستی اور مودّت کے جو تعلّقات ہوتے ہیں، وہ آخرت کو بالکل بے کار ہوں گے اور کوئی کسی کا دوست باقی نہ رہے گا۔ ہر قسم کی دوستی مبدل بہ دشمنی ہو جائے گی۔ ہاں اِلَّا الۡمُتَّقِيۡنَ پرہیزگاروں کی دوستی وہاں بھی باقی رہے گی البتہ کفّار اور مشرکین کو کسی قسم کی دوستی کام نہ آئے گی

اور وَلَاخُلَّۃٌ کا پورا اظہار ہوگا۔ اور ظاہر بات ہے کہ رُسل اور انبیاء ملائکۃ المقربین اور ملاء اعلیٰ سے بڑھ کر اور کون نیک اور متقی ہو سکتا ہے؟ اب ذرا چکڑالوی صاحب کی بھی سُن لیجئے :-

یعنی عظیم وجلیل القدر رُسل انبیاء وملائکہ مقربین وملاء اعلیٰ کی دوستی بھی ذرہ بھر فائدہ نہ دے گی (بلفظہٖ ترجمۃ القرآن ص۲ تحت قولہ وَلَاخُلَّۃٌ)

⑤ شفاعت کا مسئلہ ایسا اتفاقی اور اجماعی مسئلہ ہے جس کا کوئی بھی مسلمان آج تک انکار نہیں کر سکا اور یہ مسئلہ اپنی شرائط کے ساتھ قرآن کریم کی نصوص سے ثابت ہے (آئندہ برق صاحب کے نظریۂ شفاعت کے سلسلہ میں ان کا ذکر ہوگا۔ انشاء اللہ العزیز) اور احادیث متواترہ سے شفاعت (کُبریٰ اور صُغریٰ) کا صاف اور صریح الفاظ میں ذکر آتا ہے۔ نیز انبیاء ملائکہ اور صلحاء کی شفاعت کا واضح الفاظ میں ثبوت ہے اور یہی مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ ہاں البتہ حسب ارشاد خداوندی "ولا شفاعۃ" کفار کے لیے شفاعت نہ ہوگی لیکن چکڑالوی صاحب یوں لکھتے ہیں کہ :-

"جملہ رُسل انبیاء اور ملائکہ مقربین وملاء اعلیٰ کسی طرح ذرہ بھر سفارش نہ کر سکیں گے"

(بلفظہٖ ترجمۃ القرآن ص۲ تحت قولہٖ ولا شفاعۃ)

نیز لکھتے ہیں کہ چونکہ عموماً اس مسئلہ شفاعت اور خصوصاً رُسل۔ انبیاء کی شفاعت کی وجہ سے تھوڑے دنوں بعد عذابِ دوزخ سے رہائی پا جانے کا ایک غلط خیال عوام کالانعام میں بے طرح پھیلا ہوا ہے، جس کے اصل بانی مبانی اہل حدیث صاحبان ہی ہیں (یعنی وہی جنہوں نے نبیوں کا مقابلہ کیا تھا اور بالآخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے مقابل اور مخاطب قرار پائے تھے مثلاً ابُوجہل وغیرہ اور انہوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لیے شفاعت کبریٰ اور شفاعت صغریٰ کی داغ بیل ڈالی۔ اور باوجود آپ کے جانی دشمن ہونے کے یہ عظیم مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو بخشا اور کیوں نہ ہوتا آخر

میری ضد سے ہوا ہے مہربان دوست
میرے احساں ہیں دشمن پر ہزاروں ـــــ صفدر

جنھوں نے خواہ مخواہ ایسے بہتان و افترا بشکل احادیث خدا کے برگزیدہ بندوں رسل و انبیاء پر لگا رکھے ہیں (بلفظہ ترجمۃ القرآن ص۱۲۵ پ۳ تحت قولہ تعالی اِلَّآ اَیَّامًا مَّعۡدُوۡدٰتٍ)

کاش کہ چکڑالوی صاحب محض اسی پر اکتفا کر لیتے کہ مسئلہ شفاعت ثابت نہیں اور یہ صرف اہل حدیث حضرات کی کارستانی ہے۔ مگر وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ "اس شفاعت کا بھی میں بے شک منکر ہوں۔ کیونکہ یہ عقلاً و نقلاً بے انصافی و ظلم ہے" (انتہی بلفظہ اشاعۃ القرآن مطبوعہ سنہ ۱۳۲۰ھ۔ ص۶)

عقل سے تو غالباً خود چکڑالوی صاحب کی عقل فعّال مراد ہوگی اور نقل سے بظاہر ان کی نانی جی کی نقل مراد ہوگی۔ کیونکہ شریعت اسلامیہ کی کوئی ایسی نقل سرے سے موجود ہی نہیں کہ شفاعت بے انصافی اور ظلم ہے۔ اور اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔

اگر چکڑالوی صاحب محض اسی پر بس کر دیتے تو بھی آخر ایک حد ہوتی مگر ان کا خبث باطن اور نجاست قلبی اُن کو کچھ اور بھی کہنے اور لکھنے پر مجبور کرتا ہے چنانچہ وہ خود اپنے ملعون قلم سے لکھتے ہیں:۔

غرضکہ شفاعت مروّجہ معروفہ کا وہم و خیال تک کرنا نہایت ہی بڑھ کر اعلیٰ درجہ واوّل نمبر کی خباثت و نجاست ہے۔ (انتہیٰ بلفظہ ترجمۃ القرآن ص۱۲۵)

دیکھئے کس طرح چکڑالوی صاحب نے تمام اُمّتِ مرحومہ کو اعلیٰ درجہ اور اوّل نمبر کی خباثت اور نجاست کا خطاب دے کر ان کی صریح توہین و تذلیل کی ہے (العیاذ باللہ) اس کا نام ہے قرآن دانی، قرآنی بصیرت اور دعوتِ قرآنی، جس سے وافر حصّہ چکڑالوی صاحب اور اُن کے ہمنوا احباب کو مرحمت ہوا ہے۔ سچ ہے، جیسے روح

ویسے فرشتے ؎

قسمت کیا ہر ایک کو قسّامِ ازل نے — جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

⑥ تمام مسلمان براہین قطعیہ کے تحت یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سیّد المرسلین اور فخر العٰلمین ہیں، مگر چکڑالوی صاحب ایسا کہنے کو خرافات اور لغویات میں شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ مسلمانوں کے ایک نظریہ پر تنقید کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ :۔

"یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ آپ اپنے پیٹ پہ تین تین دن پتھر بھوک کے مارے باندھے پھرتے تھے اور (معاذ اللہ) ان کو اس دُنیائے فانی میں نان جویں بھی اللہ تعالےٰ کے اتنے بڑے بڑے خزانوں میں سے مرزوق وموہوب نہیں ہوتی تھی اور بمقابلہ اس کے مریم کی شان وشوکت یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہمیشہ (ہمیشہ کس نے کہا ہے ؟ مکرر یہ نہ پوچھیے صفدر) اسکو جنّت الفردوس کے میوہ جات اور نعمتیں منزل من اللہ ہو کر مرزوق وموہوب ہوا کرتی تھیں۔ باوجود اس قدر ذلت اور حقارت وتوہین واہانت مُحمّد رسُول اللہ سلامُ علیہ پھر" طوطے کی طرح سیّد المرسلین وفخر العٰلمین وغیرہ وغیرہ" اسی قسم کے اور بہت سے خرافات ولغویات خطابات بھی بکتے رہتے ہیں (بلفظہٖ ترجمۃ القرآن ص۱۴۲۔ پ۳ تمت قولہٗ قالت ھو من عند اللہ)

⑦ دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ سے راحت اور عذابِ قبر وغیرہ کے مسائل ثابت ہیں اور متواتر احادیث کے علاوہ مِمَّا خَطِیْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا وغیرہا۔ آیات اس پر نصّ قطعی ہیں۔ مگر چکڑالوی صاحب یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ ۔

"باب ہفتم عذاب قبر وسوال منکر ونکیر۔ جب یہ بات ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ مرنے کے بعد روح کے لیے بھی بقا نہیں ہے۔ اور یہ بات بھی بہ دلائل پختہ بیان ہونے والی ہے کہ انسان کے لیے مرنے کے بعد روز قیامت تک درمیانی زمانہ میں کوئی جزا و سزا نہیں ہے تو عذابِ قبر کا غلط اور من گھڑت ہونا صاف ظاہر ہے۔ عذاب

قبر وسوال منکر ونکیر کی بنیاد جھوٹی حدیثوں پر ہے" الخ (بلفظہ ترجمۃ القرآن ص۹۵ پ تحت قولہ حتیٰ اذا جاء احدکم الموت، ومثلہ فی روح الانسان ص۸۹ از چکڑالوی)

(۸) ایصالِ ثواب کا مسئلہ اہلِ اسلام کے ہاں ایک طے شدہ حقیقت ہے۔ ملائکہ مقربین کی مغفرت کی دعائیں، نماز جنازہ کی مشروعیت نیز قرآن کریم کی متعدد دعائیں جو پہلے مسلمانوں کے حق میں کی جاتی ہیں۔ اس کا واضح ثبوت ہے۔ مگر چکڑالوی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"یہ بیشک میرا اعتقاد ہے کہ مُردہ کو بدنی عبادت یا مالی صدقہ وغیرہ کسی چیز کا ثواب نہیں پہنچ سکتا" اھ (اشاعۃ القرآن ص۴ مطبوعہ ۱۳۲۰ھ)

چکڑالوی صاحب کو یہ اعتقاد مبارک ہو اہل اسلام اس کو باطل یقین کرتے ہیں۔

(۹) نماز تراویح پر تمام اہلِ اسلام تاہنوز متفق چلے آرہے ہیں۔ لیکن چکڑالوی صاحب یہ کہتے ہیں کہ" نماز تراویح پڑھنا ضلالت ہے اور اس پر ایک مستقل رسالہ بھی انہوں نے لکھا ہے۔ البیان الصریح لاثبات کراہۃ التراویح۔

(اشاعۃ القرآن ص۱۳ مطبوعہ ۱۳۲۰ھ)

(۱۰) قطعی دلائل سے یہ ثابت ہے کہ کبھی کسی رسُول اور نبی پر القاء شیطانی کا اثر نہیں ہوا۔ اور خصوصیت سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر۔ مگر چکڑالوی صاحب لکھتے ہیں کہ۔

" رسُول اللہ کی زبان مبارک سے دین کے متعلق یا قرآن شریف نکلتا تھا اور یا سہواً اپنے خیالات وقیاسات، جن میں القاء شیطانی موجود ہوتا تھا جن کو خدا تعالےٰ نے منسوخ ومذکور فی القرآن کرکے آپ کی اُن سے بریّت کردی"

(بلفظہ اشاعۃ القرآن ص۴۴ مطبوعہ سنہ ۱۳۲۰ھ)

(۱۱) جناب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تمام قولی اور فعلی حدیثیں نیز حضرات

صحابہ کرامؓ سے لے کر تا ہنوز تمام مسلمانوں کا اس امر پہ اتفاق رہا ہے کہ نماز شروع کرتے وقت اللہ اکبر کہنا چاہیے۔ اس تکبیر کو تکبیر تحریمہ کہا جاتا ہے۔ مگر عبداللہ صاحب چکڑالوی کہتے ہیں کہ اللہ اکبر تو کفار مکہ کی تکبیر ہے۔" (بلفظہ) اشاعۃ القرآن۔ شوال ۱۳۲۹ھ صلا اور ص۱۳ میں لکھا ہے کہ یہ کلمہ از روئے قرآن مشرکانہ کلمہ ہے۔" (بلفظہ) اور شرک کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ "اس کا معنیٰ ہے۔ اللہ سب سے بڑا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اور بھی الٰہ ہیں مگر اللہ ان سب سے بڑا ہے۔ لہٰذا یہ شرک ہوا" لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ یہ ہے چکڑالوی صاحب کی قرآنی بصیرت اور منطق۔ نحو اور گرامر کے اس سہل مسئلہ سے بھی ان کی نگاہ مبارک چوک گئی ہے کہ یہاں اسم تفضیل (اَکْبَرُ) اضافت کے ساتھ مستعمل نہیں ہے بلکہ "من" کے ساتھ استعمال ہوا ہے اور اصل یوں ہے اَللّٰہُ اَکْبَرُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ۔ یعنی اللہ ہر شے سے بڑا ہے۔ یہاں اور الٰہوں کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور نہ شرک لازم آتا ہے۔ اور یہ نعرۂ تکبیر مسلمانوں کا ایک امتیازی نشان سمجھا جاتا تھا اور اب بھی بفضلہ تعالیٰ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن چکڑالوی صاحب اس کو کفار مکہ کی تکبیر اور مشرکانہ کلمہ کہتے ہیں لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

(۱۲) قرآن کریم کی نصوص قطعیہ، احادیث متواترہ اور اجماع امت سے یہ عقیدہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا رتبہ، درجہ اور شان سب نبیوں سے بڑھ کر ہے اور آپ خاتم النبیین اور سید الرسل ہیں مگر چکڑالوی صاحب فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ط اور اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ وغیرہا آیات اور بعض احادیث سے دھوکہ کھا کر اور لوگوں کو مغالطہ میں ڈال کر یوں ایک سائل کو جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

آپ نے اپنے مسئلہ قرآن مجید اور بخاری اور صحاح ستہ کے خلاف رسول اللہ سلام علیہ کو نبیوں کا سردار لکھا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ان کو متبع اور مقتدی کل انبیاء کا عموماً اور ابراہیم سلام علیہ کا خصوصاً لقب مرحمت فرمایا ہے۔" اھ (اشاعۃ القرآن

جلد اوّل نمبر ماہ مئی ۱۹۲۲ء ص۱۳۱) اور اتنی بات چکڑالوی صاحب کو معلوم نہ ہو سکی کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو حضرت ابراہیمؑ اور باقی انبیاء کرام علیہم السلام کا متبع اور مقتدی نہیں کہا گیا بلکہ ملّت ابراہیم اور نبیوں کی ہدایت کا متبع اور مقتدی کہا گیا ہے اور ملّتِ ابراہیمؑ اور نبیوں کی ہدایت منزل من اللہ ہے جس میں اصولی طور پہ سب نبی متفق رہے ہیں۔ درجہ اور رُتبہ میں آپ کو انبیاء کا متبع اور مقتدی نہیں کیا گیا اور ص۱۴ میں لکھا ہے کہ:-

"اور پھر آپ نے انکو نبیوں کا سردار بنا کر اور انبیاء اور رُسل کی تحقیر اور تذلیل کرکے لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِهٖ کا کفر کیا یا نہیں" الخ (بلفظہ) مگر اتنی آسان اور سہل بات پہ چکڑالوی صاحب نے غور نہیں کیا کہ یہ عدم تفریق تو بسلسلۂ ایمان ہے کہ بعض انبیاء اور رُسل پہ ایمان لایا جائے اور بعض کا انکار کیا جائے جو مصداق ہے نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَّنَكۡفُرُ بِبَعۡضٍ کا باقی درجہ اور فضیلت میں فرق کا ہونا تو قطعی طور پہ ثابت ہے۔ تیسرے پارے کی پہلی ہی آیت اس مسئلہ کو آفتابِ نیم روز کی طرح واشگاف کرتی ہے:۔ تِلۡكَ الرُّسُلُ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ۔

الغرض ایک ہے انبیاء و رسل میں ایمان لانے اور نہ لانے میں تفریق کرنا، یہ اوّل نمبر کا کفر ہے اور ایک ہے رُتبہ اور فضیلت میں تفریق۔ یہ امر ثابت ہے اور اس کا انکار نری بے دینی، الحاد اور زندقہ ہے۔ اور دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ فَاَیۡنَ الثَّرٰی مِنَ الثُّرَیَّا۔ چکڑالی صاحب کی عربی دانی دیکھیے کہ وہ بجائے مُسلّم کے اپنے مسلمہ قرآن مجید ہیں لکھتے ہیں۔

(۱۳) قرآن کریم، سُنّت متواترہ اور تمام اُمّت کے اتفاق سے یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے نکاح میں ایک سے زائد (بلکہ بیک وقت نو۹) منکوحہ بیویاں تھیں۔ یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ اور یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلۡ لِّاَزۡوَاجِكَ وغیرہا آیات اس کا واضح اور صریح ثبوت ہیں اور عام مسلمانوں کو بھی مخصوص شرائط کے تحت بیک وقت

چار تک بیویاں رکھنے کی اجازت قرآن کریم اور حدیث صحیح میں مصرح ہے۔ لیکن چکڑالوی صاحب ان آیات کی یہود کو شرما دینے والی تحریف کر کے یوں تحریر کرتے ہیں کہ :-

"تعدّد ازواج بحوالۂ قرآن (لعنۃ اللہ علی الکٰذبین۔ کہاں ہے یہ حکم قرآن میں باقی تحریف کا نام قرآن نہیں ہے۔ صفدر) زنا میں داخل ہے (معاذ اللہ۔ صفدر) جس سے انبیاء اور رُسل سلام علیہم اور ان کی اُمّت پاک ہے اور ان پر سراسر افتراء اور بہتان ہے۔" (بلفظہٖ اشاعۃ القرآن جلد ۷ ص۱۸ ماہ مئی ۱۹۲۲ء)

ملاحظہ کیا آپ نے کہ چکڑالوی صاحب نے کس بے حیائی کے ساتھ تعدّد ازواج کو زنا میں داخل کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ذاتِ گرامی پر ظالمانہ حملہ کیا ہے۔ (العیاذ باللہ) اور کس طرح اُمّتِ مرحومہ کے ان نیک اور صالح افراد کو زانی بنایا ہے۔ جنہوں نے قرآن و حدیث کے رُو سے مسئلہ تعدّد ازواج پر عمل کیا ہے۔ یہ ہے چکڑالوی صاحب کی دعوتِ قرآنی اور اُن کی جماعت کے افکار و نظریات لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ۔ سچ کہا گیا ہے کہ ؎

گربہ میر و سگ وزیر و موش را دیواں کنند ۔۔۔ ایں چنیں ارکانِ دولت ملک را ویراں کنند

(۱۴) سب مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی بحالتِ بیداری معراج جسمانی پر متفق ہیں مگر چکڑالوی صاحب معراج نبوی (صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:-

"ربّ العٰلمین نے آپ کو بطور معجزہ (خواب میں کونسا معجزہ کار فرما ہوتا ہے؟ صفدر) سخت اندھیری رات میں صرف بحالتِ نیند ہی نیند، خواب ہی میں اس خلص زمین کی سیر کرائی یعنی المسجد الحرام بیتِ مکہ سے لے کر مسجد اقصیٰ بیت المقدس تک سب مقامات کو ظاہر باہر طور پر پورا پورا دکھا دیا۔" (تفسیر ترجمۃ القرآن بآیات الفرقان پ۱۵ ص۱)

چونکہ اس مسئلہ پر ہم نے ایک مستقل رسالہ ضوء السراج فی تحقیق المعراج لکھا ہے اس لیے ہم اس پر یہاں مزید کچھ بحث نہیں کرتے البتہ صرف اتنا یہاں کہنا چاہتے

ہیں کہ لغت کی کس کتاب میں یہ حوالہ ملے گا کہ اِسْرَاء کا لفظ خواب میں سیر کرنے پر ہی بولا جاتا ہے اور بیداری میں رات کی رات کی سیر پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا؟ اور نیز خواب کا یہ واقعہ کون سا تعجب خیز تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے "سبحان" کے ساتھ شروع کیا ہے؟ اور یہ کہ لفظ "عبد" محض رُوح کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ جسم اور رُوح دونوں کے لیے مستعمل نہیں ہے؟ دیکھئے اس کا کیا جواب ملتا ہے؟ مگر سے

وہ اپنی منزلِ مقصود تک ہرگز نہ پہنچے گا ۔۔۔ کہ جو آغاز ہی میں بےخودِ انجام ہو جائے

(۱۵) حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے معجزات قرآن کریم میں مذکور ہیں کہ وہ مٹی کے پرندے بنا کر اُن میں پھُونک مارتے تھے تو باذن اللہ وہ پرندے بن کر اُڑ جاتے تھے۔ اندھوں کو باذن اللہ بینا کر دیتے تھے۔ پھلبہری والوں کو حکمِ خداوندی سے اچھا کر دیتے تھے، خدا تعالیٰ کے حکم سے مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے۔ مگر چکڑالوی صاحب کے نزدیک اس کا مطلب ہی خیر سے کچھ اور ہے وہ یہ کہ:۔

"جیسے چار مشہور شکاری پرندے باز، باشہ، چرخ، شاہین شکاری پرندے تعلیم و تربیت سے فرماں بردار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے مُردگانِ ایمان کو تعلیم و تربیت فرمائی اور وہ مطیع ہو گئے۔" دیکھئے تفسیر پ۳ ص۱۷۲) اور ابراء اکمہ کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"جسمانی اندھے ہرگز ہرگز مُراد نہیں ہو سکتے کیونکہ رُسل انبیاء ڈاکٹر و طبیب جسمانی نہیں ہوا کرتے۔" آگے لکھا ہے کہ "ایمانی اندھوں ہی کو صحت یاب اور شفایاب کیا (محصلہ ص۱۷۲ و ص۱۳) اور لکھتے ہیں کہ:۔

"اِحْیَاءِ مَوْتیٰ سے، جسمانی مُردوں کا زندہ کرنا ہرگز ہرگز وہم و خیال تک نہیں ہو سکتا بلکہ خاص ایمانی مُردوں ہی کا زندہ کرنا مُراد ہے۔" (ص۱۷۴)

یہ سب کچھ تو چکڑالوی صاحب کہہ اور لکھ گئے مگر یہ عُقدہ حل نہ کیا کہ روحانی

بیماریوں کا علاج تو سبھی انبیاء و رسل علیہم السّلام کرتے رہے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی تخصیص کی وجہ اس میں کیا ہوئی؟ پھر کیا وجہ ہے کہ یہ معجزات حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بیان ہوئے ہیں اور دیگر انبیاء کرام علیہم السّلام کے مذکور نہ ہوئے۔ حقیقت یہ ہے کہ جتنا اور جس قدر ظلم نام نہاد اہل قرآن اور منکرین حدیث نے قرآن کریم پر روا رکھا ہے اس کی نظیر علم و تحقیق کی دنیا میں ناپید ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ تحریف چکڑالوی صاحب نے کی ہے مثلاً :۔

(۱۶) نارِ ابراہیمؑ سے فتنہ کی آگ مراد لی ہے۔ اور حضرت داوٗد علیہ السّلام کے ساتھ پہاڑوں اور پرندوں کی تسبیح پڑھنے سے مُراد یہ لی ہے کہ یَاجِبَالُ سے پہاڑی لوگ مُراد ہیں اور الطیر سے طیر نامی قوم مُراد ہے۔ وادیٔ تیہ میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے اُن کی قوم نے پانی طلب کیا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ۔ چکڑالوی صاحب نے اس سے مُراد یہ لی ہے کہ آپ اپنی جماعت کو پہاڑ کی طرف لے جائیں۔ چنانچہ وہ وہاں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں چشمے بہ رہے تھے۔ مگر یہ راز حل نہ کیا کہ جب اس قوم کو چالیس سال تک وادیٔ تیہ سے نکلنا ہی ممنوع تھا تو پھر پانی کے لیے پہاڑوں کی طرف جانے کا کیا سوال؟ مگر ان اُمور سے چکڑالوی صاحب اور اُن کی جماعت کو کیا غرض؟ غرض ان کے نظریات تو اپنی جگہ اٹل اور محکم ہیں۔ اور یہ عُقدہ بھی نہ حل کیا کہ فتنہ کی آگ تو تمام انبیاء کرام کے خلاف دشمنوں نے بھڑکائی تھی پھر قُلْنَا یَا نَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلَامًا عَلٰی اِبْرٰهِیْمَ کی تخصیص کیا وجہ ہے؟ اور جب اُن پر فتنہ کی آگ ٹھنڈی پڑ گئی تھی تو لامحالہ لوگ اُن کے دین کو قبول کر چکے ہوں گے (کیونکہ کفّار تو کبھی کسی نبی کے مقابلہ سے نہیں ہارے) پھر حضرت ابراہیمؑ کو اِنِّیْ مُهَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ کہہ کر عراق اور بابل کے علاقہ سے ہجرت کر کے مُلک شام جانے کی کیا ضرورت در پیش ہوئی۔ اور کیا پہاڑی لوگوں کی طرف صرف حضرت داوٗد علیہ السّلام ہی مبعوث ہوئے تھے۔

ان کے فرزند حضرت سلیمان علیہ السّلام کے لیے یَاجِبَالُ اَوِّبِیْ (کا معجزہ یا) خطاب کیوں وارد نہیں ہُوا؟ اور اس میں حضرت داؤد علیہ السّلام کے ساتھ تخصیص کی علّت کیا ہے؟ حضرات یہ ہے انکارِ حدیث کا شاخسانہ ؎

عمل اُن سے ہوا رخصت عقیدوں میں خلل آیا
کوئی پوچھے کہ اُن کے ہاتھ کیا نعم البدل آیا

(۲)

حافظ اسلم صاحب جیراجپوری

حافظ اسلم صاحب بھوپال کے ایک مشہور غیر مقلّد عالم مولانا سلامت اللہ صاحب کے فرزندِ ارجمند اور موجُودہ دور میں انکارِ حدیث کے ایک بہت بڑے ستُون بلکہ بعض وجوہ سے مرکز ہیں۔ انہیں کے علُوم و فنوُن سے متمتع ہو کر جناب پرویز صاحب پروان چڑھے ہیں۔

۱۔ حدیث پر ہمارا ایمان نہیں

اسلم صاحب حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے اور نہ اس پہ ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ نہ حدیث کے راوی پہ ہمارا ایمان ہے نہ اس پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ نہ حدیث کی سند میں جو رجال ہیں، اُن پہ ہمارا ایمان ہے نہ ان پہ ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ پھر یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ ایسی غیر ایمانی اور غیر یقینی چیز کو ہم قرآن کی طرح دینی حجّت مانیں"۔ (بلفظہٖ مقام حدیث جلد اوّل ص۱۶۹)

مسلمانوں کا تو یہ بُنیادی عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا عین ایمان ہے اور بہت سے احکام و مسائل ایسے ہیں جن کا فیصلہ آپ نے زمانۂ رسالت میں صادر فرمایا۔ اور ایسی تمام جُزئیات قرآن کریم میں مذکور نہیں ہیں

اور آپ کے ہر ایسے ارشاد اور حکم کو جو قرآن کریم میں موجود نہ ہو، مسلمان احدیث کہتے ہیں۔ اور اس کی نفی پر عقلی اور نقلی طور پر کوئی مبنی بر انصاف اور ٹھوس دلیل نہ تو آج تک پیش کی گئی ہے اور نہ تا قیامت پیش کی جا سکتی ہے۔ شکوک و شبہات، اباطیل و خرافات اور اِدھر اُدھر کی باتوں اور غوغا آرائی کا ذکر نہیں کیونکہ وہ تو ابتدائے آفرینش سے آج تک بدستور چلی آئی ہیں اور قیامت تک ہوتی رہیں گی۔ کیا جناب اسلم صاحب کا قرآن کریم کے اس محکم اور صریح حکم پر بھی ایمان ہے یا نہیں، جو اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے:-

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ	تیرے رب کی قسم وہ مومن نہیں ہو سکتے تاوقتیکہ
فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا	آپ کو ہر اس اختلاف اور نزاع میں اپنا حَکَم
فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ	تسلیم نہ کر لیں جو اُن کے درمیان واقع ہو۔
وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝	پھر اپنے دل میں ذرہ بھر بھی تنگی محسوس نہ کریں
(پ ۵۔ النساء۔ ع ۹)	اُس فیصلہ کے بارے میں جو آپ نے صادر فرمایا اور
	تاوقتیکہ اس کو پوری طرح تسلیم نہ کر لیں

اس آیۂ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یُحَکِّمُوکَ فرما کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ذاتِ گرامی کو ہر اختلاف اور نزاع میں حَکَم اور فیصل ماننا حلف اُٹھا کر ضروری قرار دیا ہے۔ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حکم اور فیصلہ کو ماننا اور بلا چون و چرا تسلیم کرنا ایمان نہیں تو اللہ تعالیٰ نے قسم اُٹھا کر ایسا کیوں فرمایا ہے؟ اگر آپ کے حکم، حدیث اور ارشاد پر ایمان لانا ضروری نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے حَتّٰى يُحَكِّمُوا الْقُرْآنَ کی تعبیر کو چھوڑ کر حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ کی تعبیر کیوں اختیار فرمائی ہے؟ اور مِمَّا قَضَى الْقُرْآنَ کی تعبیر کو ترک کر کے مِمَّا قَضَيْتَ (کہ جو آپ فیصلہ صادر فرمائیں) کیوں فرمایا ہے؟ کاش کہ برائے نام دعوت الی القرآن دینے والے قرآن کریم کے اس صریح اور واضح حکم کو بھی ملاحظہ کر لیتے۔ یہ یاد رہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا جو بھی فیصلہ

ہوگا وہ بحیثیت رسُول اور نبی ہوگا (کیونکہ اسی آیت سے پہلے مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ الآیۃ میں اس کی تصریح موجود ہے) اور جناب نبیؐ کریم صلے اللہ علیہ وسلّم کے ہر اس فیصلہ کو جو قرآن کریم میں نہ ہو مسلمان وحیٔ خفی اور حدیث سے تعبیر کرتے ہیں اور نصِّ قرآنی سے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ یہ جُدا بات ہے کہ منکرینِ حدیث اعذار باطلہ کو بہانہ بناکر اس آیت کے صریح حکم سے اعراض کریں ع

تو ہی اگر نہ چاہے تو باتیں ھزار ہیں

۲۔ لہوالحدیث کی تشریح

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ الآیۃ (پ ۲۱، لقمان، ع ۱)	اور بعض لوگ وہ ہیں جو خریدتے ہیں کھیل (اور گانے بجانے) کی باتیں تاکہ وہ گمراہ کردیں اللہ تعالیٰ کے راستے سے بن سمجھے ۔

جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی ذات گرامی کے بعد رئیس المفسرین علی الاطلاق حضرت عبد اللہؓ بن مسعود حلفیہ طور پر اس آیت کی تفسیر غنا (گانے بجانے) سے کرتے ہیں اور یہی تفسیر ترجمان القرآن حضرت ابنِ عباسؓ، حضرت جابرؓ، حضرت عکرمہؒ، حضرت سعیدؒ بن جبیرؒ، حضرت مجاہدؒ، حضرت مکحولؒ، حضرت عمروؒ بن شعیبؒ حضرت علیؒ بن بذیمہؒ اور حضرت حسن بصریؒ وغیرہ سے مروی اور منقول ہے۔ یہ سب حضرات تو اس کی تفسیر صرف غنا سے کرتے ہیں (ملاحظہ ہو تفسیر ابنِ کثیر جلد ۳۔ ص ۴۴۲) مگر ان کے مقابلہ میں حافظ اسلم صاحب اس آیت کی تفسیر یوں کرتے ہیں۔

"اور بعض آدمی وہ ہیں جو حدیث کے مشغلہ کے خریدار ہوتے ہیں تاکہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے بلا علم (یقین) کے بھٹکا دیں اور اُس کو مذاق بنالیں"۔ (مقام حدیث جلد اوّل ص ۱۵۷، و ص ۱۸۳)

دیکھا آپ نے منکرین حدیث کے مفسر کو کہ اس نے کیا شگوفے کھلائے ہیں اور خدا تعالیٰ کی مظلوم کتاب کو تحریف کی کند چھری سے کس طرح ذبح کرنے کی ناکام کوشش کی ہے۔
قارئین کرام کو یہ یاد رہے کہ اسلم صاحب کے والد کرتم کے اہلحدیث اور غیر مقلد تھے اور بھوپال کے اندر اپنے وقت میں حدیث کے مشغلہ کے بڑے خریدار بلکہ ٹھیکیدار وہی صاحب تھے اور بہ تفسیر اسلم صاحب ان کے والد خدا کی راہ سے بھٹکانے والوں اور خدا کے دین کو مذاق بنانے والوں میں پیش پیش تھے۔ اور باقی کسر اسلم صاحب نے پوری کر دی۔

پدر نتواں کرد پسر تمام کرد

۴۔ معراج جسمانی

حضرات صحابہ کرامؓ سے لے کر تا ہنوز جملہ اہل اسلام اس عقیدہ پر متفق چلے آرہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ہی رات میں جسدِ عنصری کے ساتھ بیداری کی حالت میں مسجدِ حرام سے مسجد اقصیٰ تک اور پھر وہاں سے پہلے دوسرے اور حتّٰی کہ ساتویں آسمان تک اور پھر سدرۃ المنتہیٰ تک سیر کرائی۔

قرآن کریم کی اصطلاح میں اسکو اسراء اور احادیث کے رو سے اس واقعہ کو واقعہ معراج کہا جاتا ہے۔ جس کے ثبوت پر علاوہ قرآن کریم کے متواتر درجہ کی صحیح حدیثیں موجود ہیں۔ راقم الحروف نے اس مسئلہ پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔ جس کا نام "ضوء السراج فی تحقیق المعراج" یعنی چراغ کی روشنی ہے۔ جس میں قرآن کریم، احادیث، کتب تفاسیر اور دیگر مستند تاریخی کتابوں سے اس کا عقلی اور نقلی طور پر اثبات کیا گیا ہے اور مسلمانوں کے مقابلہ میں منکرین معراج جسمانی نے جن برائے نام دلائل سے استدلال کیا ہے اس کا جواب بھی عرض کر دیا گیا ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ معراج جسمانی کے انکار کی نسبت حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عائشہؓ وغیرھا کی طرف روایۃً و درایۃً ہر طرح غلط اور مخدوش ہے مگر مسلمانوں کے اس اجماعی عقیدہ کے

مقابلہ میں بعض دیگر منکرینِ معراج کی طرح حافظ اسلم صاحب جیراجپوری بھی تنکوں کا سہارا لیتے ہوئے معراجِ جسمانی جیسے صحیح احادیث سے ثابت شدہ اجماعی عقیدہ کا یوں انکار کرتے ہیں کہ :۔

"مگر محققین (مثلاً اسلم صاحب، پرویز صاحب اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی وغیرہ۔ صفدر) زیادہ تر حضرت عائشہؓ اور امیر معاویہؓ کے ہمخیال ہیں اس وجہ سے نہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس قسم کے واقعہ کو قیاس سے بعید سمجھتے ہیں بلکہ جسمانی معراج کے ثبوت میں تاریخی شہادت کی کمی پاتے ہیں۔ اور اگر آپ ہم سے پوچھیں تو ہم یقین رکھتے ہیں کہ عالمِ ملکوت کی سیر اور مادیات سے بالاتر جا کر خدائی نشانیوں کو دیکھنا جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہی ہوسکتا ہے۔" (بلفظہٖ نوادرات ص۱۷۱)

یہ ہے جناب اسلم صاحب کی علمی تحقیق اور دیانت، کہ جو مسئلہ قرآن کریم اور متواتر درجہ کی حدیثوں اور اُمّتِ مرحومہ کے اتفاقی عقیدہ سے ثابت ہے اس میں تو وہ تاریخی طور پر کمی پاتے ہیں مگر اسلم صاحب جیسے محققین حضرت امیر معاویہؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایات کے ہم خیال ہیں۔ لیکن اس کی وہ ذرّہ بھر زحمت گوارا نہیں کرتے کہ اتنا ہی بتلادیں کہ وہ روایات کن کتابوں میں ہیں۔ ان کی اسانید کیسی ہیں؟ ان کے الفاظ کیا ہے؟ تمام منکرینِ حدیث کا یہ نرالا وتیرہ ہے کہ اگر کوئی روایت اُن کے مفید مطلب ہوتی ہے تو وہ قابلِ احتجاج ہو جاتی ہے اگرچہ اس کی سند سلسلۃ الکذب ہی کیوں نہ ہو۔ اور جب ان کی رائے مبارک کسی چیز کو باور نہ کرنا چاہیے تو وہ بخاری و مسلم سمیت تمام صحاح اور مسانید کی متواتر حدیثوں میں بھی تاریخی شہادت کی کمی محسوس کرتے ہیں۔ اور سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ آلآیۃ اور سورۂ النجم کی آیات سے بھی نظر شریف چُوک جاتی ہے اور اُن کی طرف سرے سے دھیان ہی نہیں ہوتا۔ اُن کے اِن ناپاک تصوّرات کے قیدِ تحریر میں لانے سے ہماری روح کانپتی ہے۔ ہاتھ میں قلم لرزتا ہے۔ آنکھیں پُرنم

ہیں اور جگر شق ہوتا ہے کہ کس طرح یہ اپنی عقلِ نارسا کی خود ساختہ زنجیروں میں قرآنِ کریم اور احادیث متواترہ سے ثابت شدہ بنیادی عقیدوں کو جکڑنا چاہتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ان باطل نظریات پر ان کو کچھ شرم محسوس ہو، اُلٹا فخریہ طور پر کہتے ہیں، ہماری دعوت۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہ مگر یہ بیچارے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی عظمت و جلالت کو کیا سمجھیں ؎

مکان و لامکاں سے اس کی منزل اور آگے ہے
نہ ہو حیراں ابھی معراجِ انساں دیکھنے والے!

۴۔ سِدرۃُ المنتہیٰ

قرآنِ کریم میں اس کا ذکر آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اس کو (یعنی حضرت جبرائیل علیہ السّلام کو اُن کی اصلی شکل میں حضرت ابن مسعودؓ وغیرہ کی روایت اور تفسیر کے موافق) سدرۃ المنتہیٰ کے پاس نیچے اُترتے ہوئے ایک دوسری بار بھی دیکھا ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ذات گرامی سے لے کر اس وقت تک تمام مسلمان یہی سمجھتے چلے آ رہے ہیں کہ سدرۃ المنتہیٰ ساتویں آسمان پر بیری کا ایک عجیب و غریب درخت ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی معراج جسمانی کے سلسلہ میں اس کا ذکر بھی آتا ہے۔ مگر حافظ اسلم صاحب سدرۃ المنتہیٰ کے اس مخصوص مقام کا یُوں انکار کرتے ہیں کہ:۔

"اور تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ جس کا ذکر قرآن میں معراج کے بیان میں ہے، اِس سے علم نبوّت کی انتہائی حد مُراد ہے (بلفظہٖ نوادرات صـ۱۷۰)

الحمدُ لِلّٰہِ کہ اتنی بات کا اقرار تو جناب اسلم صاحب کو بھی ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر قرآنِ کریم میں معراج کے بیان میں ہے اور یہ بات خود زمانۂ حال کے منکرین حدیث کو مسلّم ہے کہ دَورِ حاضر میں جو قرآنی بصیرت علّامہ حافظ اسلم صاحب کو ہے

وہ اُن کی جماعت میں اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔ اور جناب پرویز صاحب وغیرہ تو صرف اُن کے خوشہ چین ہی ہیں مگر سوال یہ ہے کہ وہ کون سی تاریخی کتب ہیں جن میں یہ لکھا ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ حسّی طور پہ ساتویں آسمان پہ ایک مخصوص درخت نہیں بلکہ اس سے حقیقی طور پہ مُراد ہی علم نبوّت کی انتہائی حد ہے؟ باقی دیبانہ رنگ میں اور مجازی طور پہ اس کا کوئی منکر نہیں ہے بحث صرف اس سے ہے کہ قرآن کریم اور صحیح احادیث میں معراج کے بیان میں جس سدرۃ المنتہیٰ کا ذکر ہے، کیا وہ حسّی طور پہ ایک مخصوص درخت نہیں ہے؟۔ ہے اور یقیناً ہے!

لیکن اسلم صاحب کو معراج جسمانی کے انکار کی کچھ ایسی لگن ہے کہ وہ سفرِ معراج میں واقع شدہ منزلوں اور اُن کی حدود و تعریفات کو بھی بدلنے سے ہرگز نہیں چُوکتے تاکہ معراج جسمانی کے انکار کے تمام رستے ہموار کیے جاسکیں اور اس کے رُوحانی تسلیم کرانے میں قسم کی کوئی دشواری ہی باقی نہ رہے۔ مگر یقین جانیے کہ ایسی بے سروپا باتوں سے کون متأثر ہوتا ہے؟ اور اُن سے بھلا یہ جاندار مسئلے کب حل ہوتے ہیں! ؎

حل کیا کرے گا مسئلہ زندگی وہ اب!
جس کو شعورِ ناقص و کامل نہیں رہا!

۵۔ معجزات

قرآن کریم، متواتر احادیث اور تمام اُمّت کا اس پہ اتفاق رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو علاوہ قرآن کریم کے معجزہ کے اور بھی بے شمار ظاہری اور حسّی معجزات عطا فرمائے تھے۔ معراج اور شق القمر کا معجزہ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے۔ معراج جسمانی کے اثبات پر ضوء السراج کا مطالعہ کیجئے۔ رہا شق القمر کا معجزہ تو جمہور مفسّرین کرامؒ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ شق القمر کا معجزہ جناب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے دست مبارک پر صادر ہوا تھا۔ اختصار کے پیشِ نظر صرف

دو حوالوں پر اکتفاء کی جاتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن کثیرؒ (المتوفی ۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

وقد کان ھذا فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کما ورد فی الاحادیث المتواترۃ الصحیحۃ (الی ان قال) وھذا امر متفق علیہ بین العلماء ان انشقاق القمر قد وقع فی زمان النبی صلی اللہ علیہ وسلم وانہ کان احدی المعجزات الباھرات (تفسیر جلد ۴ ص ۲۶۴)	شق القمر کا یہ معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں واقع ہو چکا ہے جیسا کہ صحیح اور متواتر احادیث میں اس کا ذکر ہے (پھر آگے لکھا ہے) کہ علماء کرامؒ کے درمیان یہ ایک اتفاقی امر ہے کہ انشقاق القمر کا معجزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں واقع ہو چکا ہے اور یہ آپ کے روشن تر معجزات میں سے ایک تھا۔

بعض حضرات (جنہوں نے اپنی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد حسی معجزات کے وقوع اور ظہور پر سیر حاصل بحث کی ہے) کو یہ غلط فہمی واقع ہوئی کہ شق القمر سے انہوں نے قرب قیامت کا انشقاق قمر مراد لی ہے اور قبل از وقوع اس کی خبر دینے کو معجزہ پر حمل کیا ہے۔ لیکن یہ ان کی غلطی ہے کیونکہ قرآن کریم میں لفظ انشق جو ماضی کا صیغہ ہے اور متواتر درجہ کی صحیح حدیثیں اور امت کا اجماع اس مفہوم کو متعین کر دیتا ہے کہ اس سے قیامت کے وقت جو انشقاق ہوگا وہ مراد نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک ایسا واقعہ ہے جو زمانۂ ماضی میں واقع ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس کی تصریح موجود ہے:۔

وقد اجمع المفسرون علی ان المراد فی تلک الایۃ ھو الانشقاق الذی کان معجزۃ من النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا الذی یقع یوم القیمۃ اھ (ہامش جلالین اصح المطابع ص ۴۴۰)	بہ تحقیق تمام مفسرین کرامؒ اس پر متفق ہیں کہ اس آیت میں انشقاق سے وہ انشقاق القمر مراد ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معجزہ تھا۔ نہ وہ انشقاق جس کا وقوع قیامت کو ہوگا۔

یہ دو قرآنی معجزے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لیئے ظاہر ہوئے اور کتب احادیث اور تاریخ میں صریح اور صحیح روایات سے بہت سے معجزات ثابت ہیں جن کا انکار کوئی نرا ملحد و زندیق ہی کر سکتا ہے۔ ایک معمولی اُردو خوان کے لیے حضرت مولانا سیّد سلیمان ندویؒ (المتوفی ۱۳۷۳ھ) کی سیرۃ النبیؐ کا حصّہ سوم ہی ملاحظہ کر لینا کافی ہے، جس میں انہوں نے غیر مستند معجزات کو الگ کر کے متعدد مستند معجزات پر سیر حاصل بحث کی ہے لیکن جناب اسلم صاحب نے ان قرآنی آیات سے سو فیصد دھوکہ کھا کر جن میں مشرکین مکہ کے محض تعنّت اور عناد کے طور پر فرمائشی معجزات کا اس لیے صادر نہ کرنا کہ حکمت اور مصلحتِ خداوندی کا تقاضا یوں نہیں۔ اور یہ کہ معجزہ لانا نبی اور رسول کا اپنا کام نہیں ہے۔ یہ غلط اور بے بنیاد نتیجہ نکالا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ہاتھ مبارک پر قرآن کریم کے علاوہ کوئی معجزہ ہی صادر نہیں ہوا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ یہی حال معجزات کا ہے۔ قرآن نے تصریح کے ساتھ کہا کہ خاتم النبیّینؐ کو عقلی معجزہ قرآن کریم دیا گیا۔ جس کو اہل بصیرت قیامت تک دیکھ سکتے ہیں۔ نہ کہ دیگر انبیاءؑ کی طرح حسّی معجزہ (بلفظہٖ مقام حدیث ج ۱ ص ۱۷۹) اور حاشیہ پر درج ہے "ان باتوں کی تفصیل ہماری کتاب تعلیماتِ قرآن میں ملاحظہ کریں (انتہی)

بس حضرت! آپ کا عقیدہ بھی دیکھا اور تعلیماتِ قرآن کے دلائل بھی دیکھ لیے سچ کہا گیا ہے ع مذہب معلوم اہلِ مذہب معلوم

اور پھر آگے یوں گوہر افشانی کرتے ہیں کہ:۔

"مگر ان صریح آیات کے ہوتے ہوئے بھی راویوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے حسّی معجزات کی روایات کا انبار لگا دیا" (مقامِ حدیث، جلد ۱ ص ۱۸۱)

اور پھر حاشیہ پر لکھا ہے کہ:۔

"ان روایات کے مطالعہ کا جس کو شوق ہو، وہ مولانا کرامت علی موسوی دہلوی

کی تصنیف السیرۃ المحمّدیۃ کی، جس میں عجیب وغریب ہزارہا معجزات جمع کیے گیے ہیں، زیارت فرمالیں" الخ۔

خلاصہ یہ نکلا کہ حافظ اسلم صاحب کے نزدیک جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو ایک بھی حسّی معجزہ عطا نہیں کیا گیا۔ یہ سب حدیث کے راویوں کی کارستانیاں ہیں۔ کہ انہوں نے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے حسّی معجزات کا انبار لگا دیا ہے اور معجزات تراش تراش کر اور گھڑ گھڑ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ذات گرامی کو صاحبِ معجزات قرار دے رکھا ہے ورنہ بات تو دراصل کچھ بھی نہیں۔ یہ سب خود ساختہ اور من گھڑت معجزات ہیں جو راویانِ حدیث کے صدری نسخے ہیں۔ جن کا کوئی اعتبار ہی نہیں ہے (العیاذ باللہ) یہ ہے حافظ اسلم صاحب اور اُن کے رفقار کار کی بصیرتِ قرآنی، قرآنی زاویۂ نگاہ اور دعوتِ قرآنی، جس کو وہ دُنیا میں پھیلانے کے لیے سطح ارضی پر نمودار ہوئے ہیں۔ فوا اسفاہ

راز ہستی نہیں کھُلتا محبّت کے بغیر ‏ ‏ ‏ ‏ اقتدائے روشِ عقل مقدّم ہی سہی

۶۔ اطاعت کا مفہوم

قرآنِ کریم میں لفظ اطاعت متعدّد مقامات پر آیا ہے چنانچہ ایک مقام پر یوں آتا ہے۔

اَطِیۡعُوا اللّٰهَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ وَ اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡكُمۡ (پ۵۔ النساء۔ ع)	کہ تم اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اُن کی بھی جو تم میں سے صاحبِ حکم ہیں۔

جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا الگ عنوان قائم کر کے سب سے مقدّم اس کی اطاعت لازم قرار دی گئی ہے اور پھر مستقل طور پر وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ فرما کر رسول کی اطاعت کرنے کا حکم اور امر صادر فرمایا گیا ہے اور اس کے بعد مسلمانوں میں سے جو اولوا الامر ہیں، صرف واو عطف کے ساتھ اُن کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ جس میں بتانا یہ مقصود ہے کہ مستقل اطاعت تو خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی ہے۔

ہاں البتہ اس کے ساتھ مسلمان اولوالامر کی اطاعت بھی ضروری ہے بشرطیکہ وہ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت پہ گامزن ہوں اور ان کی اطاعت رسول کی طرح مستقل نہیں (ورنہ وَاَطِیْعُوْا اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ فرمایا جاتا) بلکہ وہ سابق اطاعت کے ضمن میں لازم ہے۔ بالفاظِ دیگر اگر وہ مسلمان ہی نہ ہوں، یا ہوں تو مسلمان لیکن خدا تعالےٰ اور اس کے رسولِ برحق کی اطاعت سے برگشتہ ہوں تو پھر اُن کی اطاعت کا سرے سے سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لَا طَاعَۃَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَۃِ الْخَالِقِ۔ یہ تو ہے مسلمانوں کا نظریہ۔ اب آپ اسلم صاحب کا عندیہ ملاحظہ کریں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :-

"قرآن میں جہاں جہاں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے مراد امامِ وقت یعنی مرکزِ ملّت کی اطاعت ہے۔ جب تک محمد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اُمت میں موجود تھے، ان کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت تھی (اور یہ اُمّت ہمیشہ آپ ہی کی اُمّت رہے گی۔ کیونکہ آپ کے اُوپر ایمان لائی ہے) اور آپ کے بعد آپ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہوگی اور اطاعت عربی میں کہتے ہیں، زندہ کی فرماں برداری کو۔ رسول کی اطاعت یہ ہرگز نہیں ہے کہ اُن کے بعد جو کوئی اُن کے نام سے کچھ کہہ دے، ہم اس کی تعمیل کرنے لگیں" الخ۔

(مقام حدیث، جلد ۱۔ ص ۱۵۵)

اسلم صاحب کے اس سراسر باطل نظریہ میں چند وجوہ سے کلام ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ کیا خالقِ کائنات اور علیم و خبیر خدا کو امام وقت اور مرکز ملّت کا نام نہیں آتا تھا۔ اس نے امامِ وقت اور مرکزِ ملّت کی اطاعت کے لیے اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ سے تعبیر کیوں اختیار کی ہے؟ یا اُس کو اس کا خوف تھا کہ چونکہ لوگ امامِ وقت اور مرکز ملّت کی اطاعت نہیں کریں گے۔ اس لیے بجائے اس تعبیر کے اُن کو خدا اور رسول کی اطاعت کی زنجیر میں جکڑ دو تاکہ لوگ بھی انکار نہ کریں اور خداوندی کام

بھی چل نکلے۔ (معاذ اللہ) وثانیاً اگر خدا اور رسول کی اطاعت سے امام وقت اور مرکز ملت کی اطاعت مراد ہے تو وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کا جُدا حکم دینے کی رَبّ قدیر کو کیا ضرورت درپیش آئی؟ کیونکہ امام وقت اور مرکز ملت کی اطاعت کا مفہوم تو اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ سے پورا ہوگیا ہے۔ پھر وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کا پنچر اور پیوند لگانے کی کیا حاجت باقی رہ جاتی ہے؟ وثالثاً یہ بات تو اسلم صاحب پر بھی مخفی نہ ہوگی کہ خلافتِ راشدہ کے بعد وہ کون سا امام وقت یا مرکز ملت تھا جس کی اطاعت مسلمانوں پر لازم تھی۔ اور اس کی اطاعت کرکے مسلمان خدا اور رسول کی اطاعت کے حکم سے عہدہ برآ ہوئے؟ کیا خلافت راشدہ کے بعد تمام مسلمانوں کی ساری زندگی ہی خدا اور رسول کی اطاعت کے خلاف گزری ہے؟ ورابعاً اگر اطاعت صرف زندہ ہی کی ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کا کوئی مفہوم ہی نہ رہا؟ گویا اس لحاظ سے رسول کی اطاعت کا مفہوم صرف ۲۳ سال زمانۂ نبوت تک ہی محدود رہا۔ اور اس کے بعد اس اطاعت کا اصلاً فقدان رہا۔ وخامساً۔ اطاعت کے معنی لغتِ عربی میں فرمانبرداری کردن کے آتے ہیں زندہ کی فرمانبرداری ہو یا مردہ کی۔ لغتِ عربی کے رُو سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہے کہ اطاعت کا لفظ صرف زندہ کی فرمانبرداری پر بولا جاتا ہے اور جو وفات پاگیا ہو۔ اس کی فرمانبرداری طاعت نہیں کہلاتی۔ اگر کسی مقام اور محل پر قرائن اور شواہد سے یہ ثابت ہوجائے کہ طاعت کا لفظ زندہ کی فرمانبرداری پہ اطلاق کیا گیا ہے تو اس سے یہ کیونکر اور کیسے ثابت ہوسکتا ہے کہ لغتِ عربی میں کہیں بھی ان حضرات کی پیروی اور فرمانبرداری پر طاعت کا لفظ ہی نہیں بولا جاسکتا جو وفات پاگئے ہیں؟ یہ اسلم صاحب کی نری خوش فہمی یا محض جہالت ہے۔

حضرت عمرؓ ایک جذام زدہ عورت کے قریب سے گزرے جو بیت اللہ کا

طواف کر رہی تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "اے اللہ کی بندی۔ لوگوں کو اذیت مت پہنچا۔ تو معذور ہے اپنے گھر میں ہی آرام کر۔" چنانچہ اُس نے حضرت عمرؓ کے حکم کی تعمیل کی اور گھر میں قرار سے بیٹھی رہی۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک شخص اس مجذومہ کے پاس گیا اور کہا کہ:۔

ان الّذی کان نہاكِ قدمات فاخرجی فقالت ماکنت لاطیعہ' حیّا واعصیہ' میّتا۔ (موطا امام مالک ص۱۶۵)	جو شخص (یعنی حضرت عمرؓ) تجھے منع کرتا تھا وہ تو فوت ہو گیا ہے۔ اب تو طواف کیلئے نکل سکتی ہے۔ وہ بولی کہ میں جب حضرت عمرؓ کی زندگی میں اُن کی اطاعت کرتی رہی تو اُن کی وفات کے بعد کیسے اُن کی نافرمانی کر سکتی ہوں؟ (محصلہ)

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ عربی زبان بولتے تھے اور جن کی لغت ہی عربی تھی وہ وفات کے بعد بھی فرمانبرداری پر اطاعت کا اطلاق درست اور صحیح سمجھتے تھے۔

وسادساً۔ اطاعت، اتّباع اور اقتدار کا قرآن کریم اور لغت کے اعتبار سے مفہوم تقریباً ایک ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی وفات کے بعد جن حضرات نے اُن کی اتباع اور پیروی کی ہے اُن کی یُوں تعریف کی ہے کہ:۔

اِنَّ اَوۡلَى النَّاسِ بِاِبۡرٰهِيۡمَ لَلَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡهُ وَهٰذَا النَّبِىُّ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا (پ۳۔ آل عمران - ۷)	بیشک حضرت ابراہیم سے زیادہ مناسبت رکھنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے اُنکی اتّباع کی ہے اور ہمارے یہ نبی اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں۔

اس مقام پر حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی وفات کے بعد اُن کی اطاعت اور پیروی کرنے والوں پر لفظ اتّباع (اتَّبَعُوۡہُ) کا اطلاق کیا گیا ہے۔ اور ایک دوسرے مقام پر اٹھارہ انبیاء کرام علیہم السّلام کا نام لے کر اور بقیہ حضرات کا اجمالی ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو یوں خطاب فرمایا ہے کہ:۔

فَبِهُدٰاهُمُ اقْتَدِهْ (پ، الانعام ۱۰) پس آپ اُن کے طریقہ کی اتباع کیجیے۔

ظاہر امر ہے کہ بغیر حضرت عیسٰی علیہ السلام کے تمام باقی حضرات وفات پا چکے ہیں مگر آپ کو اُن کی اقتدار کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا یہ کیسے باور کیا جائے کہ اطاعت، اتّباع اور اقتدار صرف زندہ ہی کی ہوتی ہے؟ یہ الگ بات ہے کہ اس میں اسلم صاحب کی کوئی خانہ ساز اختراع شامل ہو تو لا مشاحۃ فی الاصطلاح ؏

رکھ لیا ہے نام اُس کا آسماں تحریر میں

۷۔ ملّتِ رُوسیہ کی تعریف

ایک عرصہ سے روس نے جو اسلام کُش پالیسی اختیار کر رکھی ہے اور اسلامی ممالک اور اہلِ اسلام پر جو مظالم روا رکھے ہیں وہ کس باہوش اور غیور مسلمان سے پوشیدہ ہیں؟ اور روس کی دہریت والحاد اور مذہب کے وجود ہی سے بے پروائی بلکہ دشمنی کا کون انکار کر سکتا ہے؟ مگر اسلم صاحب کا نظریہ یہ ہے کہ :

ملّتِ رُوسیہ نے بھی اسلام کے دَورِ اوّل کا کام کیا اور زیادہ سختی کے ساتھ کیا۔ کیونکہ تاج کے ساتھ تمام تعلقات نوابی، جاگیرداری، زمینداری اور ہر قسم کی سرمایہ داری کو بھی ختم کر دیا۔ یہی نفی "لا" ہے جو اسلام کا اوّلین قدم اور اس کے کلمہ کا پہلا حرف ہے۔ قرآن وحدتِ نفسِ انسانی کا مبلّغ ہے جو اخوّت سے بھی بالاتر ہے۔ اس لیے خاص انسانیت کے حقوق میں سے کسی قسم کا امتیاز قرآن کی رُو سے ممکن نہیں ہے۔ رُوسیوں نے بھی یہی امتیاز مٹایا ہے اور یہی نفی لا ہے۔

جملہ مذاہب (نہ کہ دین) اشخاص پرستی سے پیدا ہوئے ہیں۔ ان کی تاریخ بنی آدم میں سوائے تفرقہ اندازی، سفکِ دم اور عداوت پیدا کرنے کے اور کچھ نہیں رہی ہے۔ اس کا مٹانا اسلام کا فریضہ ہے اور یہی روسیوں نے کیا ہے۔ یہی نفی "لا" ہے۔ (نوادرات ص ۱۱۵۔ اسلم جیراجپوری)

روسیوں نے جو کچھ کیا، نہ تو اسلام کے لیے کیا اور نہ اسلام کے مطابق کیا۔ پھر اسلام سے اس کے تطابق کا کیا مطلب؟ نیز وہ لکھتے ہیں کہ :-

" ایک صاحب نے جو قرآن کا عمیق علم رکھتے ہیں اور کسی زمانہ میں روس کے اعلیٰ سیاسی طبقہ سے روشناس رہے ہیں، مجھ سے مکہ معظمہ میں بیان کیا کہ انہوں نے مسٹر لینن اور اُن کے رفقاء کار سے کہا کہ تم نے جو شکست و ریخت کی ہے، وہ عین اسلام کے مطابق ہے۔ اس نے کہا کہ مسلمان علماء تو ایسا نہیں کہتے۔ انہوں نے کہا کہ کسی کے کہنے یا نہ کہنے کی کیا بات ہے۔ روسی زبان میں قرآن کا ترجمہ موجود ہے۔ میں آیات خود تم کو دکھا دیتا ہوں۔ جب اُس نے دیکھ لیا تو کہا کہ تعجب ہے کہ پھر مسلمان کیوں ہمارے خلاف ہیں۔ انہوں نے کہا کہ لادینی کی وجہ سے جہاں تم نے باطل شکنی کی ہے اگر حق کا بھی اقرار کر لو تو پھر تم سے بڑھ کر کوئی مسلمان نہیں۔ کیونکہ اسلام کا پیغام صرف یہ ہے کہ " باہم بھائی بھائی بن جاؤ اور اکیلے اللہ کے بندے " مگر ابھی وہاں نفی کا بحران ہے، اثبات تک پہنچنے میں نامعلوم کتنا زمانہ لگے گا۔" (نوادرات ص۱۱۶)

نہ تو اسلام صرف بھائی بھائی بن جانے کا نام ہے اور نہ محض روسی طرز کی شکست و ریخت، کا نام ہے۔ یہ محض اسلم صاحب کی خوش فہمی ہے نیز لکھتے ہیں کہ :-

" اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ میں سوویٹ روس میں اہل مذاہب اور مسلمانوں پر مظالم ہوتے ہیں لیکن جو لوگ قرآنی زاویۂ نگاہ رکھتے ہیں، وہ دیکھ رہے ہیں کہ عالم میں جو کچھ حرب و ضرب، شورش و انقلاب، تغیر و تبدل ہو رہا ہے۔ وہ سب تکمیل دین اور تمامِ نور کے لیے ہو رہا ہے اور اسلام کے واسطے زمین تیار کی جا رہی ہے کیونکہ انسانیت کو ایک نہ ایک دن ان حقائق ثابتہ پر پہنچنا لازمی ہے۔" (نوادرات ص۱۱۷)

یہ وہی روس ہے جس نے ۱۸۷۶ء میں بوسینا، ہرزیگونیا، سرویا، مانٹی نیگرو اور بلغاریہ وغیرہ میں بے گناہ مسلمان ترکیوں، اُن کی عورتوں اور بچوں کو بھیڑ بکریوں کی

طرح ذبح کیا تھا۔ بچّوں کو اُن کی ماؤں کی گود سے چھین کر بندوق کے کندوں اور سنگینوں کی نوکوں سے کچل دیا تھا۔ اور بے جان اینٹ اور پتھروں کی طرح ننھے اور معصوم بچوں کو سمندر میں پھینک دیا تھا۔ اور ان ظالموں، مجرموں اور سفاکوں نے متعدد افراد کو ایک ایک کر کے آگ میں پھینک دیا تھا۔ اُس وقت کے یورپین نامہ نگاروں نے بھی باوجود مسلمانوں کے سخت خلاف ہونے کے یہ بیانات اخبارات (مثلاً کورونیل گزنٹ، جرنل الابیا، نیوفرائی پرشیا، اسٹینڈرڈ، ڈیلی ٹیلیگراف مانچسٹر اور مارننگ پوسٹ وغیرہ) میں شائع کیے۔ کہ خاسکوی کا راستہ بے شمار لاشوں سے پٹا پڑا تھا جس گاؤں سے ہم گزرے، اسے ویران پایا۔ جہاں مقتولوں اور مذبوحوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ ان ظالموں نے ترکی سپاہیوں کی لاشوں پر بھی رحم نہ کھایا اور انہیں پتھروں سے کچلا۔ تاکہ ان بہادر شہیدوں کی ہڈیاں تک باقی نہ رہیں۔ اور بہت سے بچّے اور عورتیں روسیوں کے ظلم و تعدی اور وحشیانہ بے رحمی کے خوف سے ننگے پاؤں برف کے تودوں پر بھاگ بھاگ کر جان بچانے کی کوشش کرتے رہے مگر آخر عاجز آجاتے اور سسک سسک کر جان دیتے تھے۔ اور جو عورتیں دریائے مارٹیزر کی طرف جان بچانے کے لیے بھاگیں تو ان روسی ظالموں کے حیوانی مظالم کے علاوہ بھوک پیاس اور جاڑے کی شدّت سے اکثر ہلاک ہوگئیں۔ اِن مظلوموں کے خون کا ایک ایک قطرہ بزبانِ حال پکار پکار کر یہ کہہ رہا ہے کہ ؎

قریب ہے یارو روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا خون کیونکر
جو چپ رہے گی زبانِ خنجر، لہو پکارے گا آستیں کا

اور مسلمان عورتوں کی عزّت و ناموس اور عصمت پر اُن روسی ظالموں نے جو دست اندازی کی، اُن کے زہرہ گداز واقعات اور اندوہ ناک حالات کو پڑھ کر اب بھی غیور مسلمانوں کے دل سینوں میں اچھل رہے ہیں۔ آنسو آنکھوں سے ابل رہے ہیں اور سنگدل سے سنگدل قلوب بھی پگھل رہے ہیں۔

مصطفیٰ کامل مصریؒ کی مشہور تالیف المسئلۃ الشرقیۃ کا مطالعہ کیجئے اور پھر روسیوں کی بربریت اور مظالم کی داد دیجئے۔ مگر اسلم صاحب کے نزدیک اور وہ بھی قرآنی زاویہ نگاہ کی روشنی میں روسیوں کی یہ سب کاروائی عین اسلام کے موافق اور کلمۂ طیبہ کے پہلے حرف لاؔ کے مطابق ہوئی ہے۔ مگر اسلم صاحب نے یہ نہ سوچا کہ کلمۂ طیبہ کے باقی تمام حروف (الا اللہ اور محمد رسول اللہ) سے صرف نظر کرتے ہوئے بھی محض اس وحشت اور بربریت اور حیاسوز مظالم کا نام تو اسلام ہے اور نہ یہ لاؔ کا مفہوم ہے اگر اسلم صاحب کے نزدیک یہی قرآنی زاویہ نگاہ اور کلمۂ طیبہ کا مفہوم ہے تو یہ انہیں کو مبارک ہو۔ یہ اسلام ہرگز نہیں ہے ؎

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ تو کیا حاصل   دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

۸۔ مؤطّا امام مالکؒ

اسلم جیراجپوری صاحب کہتے ہیں کہ:۔

امام مالکؒ کی پیدائش ۹۳ھ میں ہوئی۔ اُن کی کتاب مؤطّا خیر القرون کے عمل متواتر کا دینی کتابوں میں زیادہ اعتماد کے قابل مجموعہ ہے کیونکہ مدینہ منوّرہ عہد رسالت اور خلافتِ راشدہ میں اسلام کا مرکز رہا۔ اس میں علمائے تاریخ کے اندازہ کے مطابق کم و بیش بارہ ہزار صحابہؓ تھے۔ جن میں سے تقریباً دس ہزار وہیں رہے۔ اور وہیں فوت ہوئے۔ بقیہ دو ہزار دیار و امصار یعنی عراق و مصر و شام و یمن وغیرہ میں پھیلے۔ اس لیے شریعت کا اصلی اور صحیح ذخیرہ مدینہ ہی میں ہو سکتا تھا۔ یہ خوبئ اتفاق ہے کہ آج ہمارے ہاتھوں میں جس قدر دینی کتابیں ہیں ان میں سب سے پہلی کتاب جو مدّون ہوئی وہ مدینہ میں ہوئی۔ یعنی یہی مؤطّا۔ الخ (مقام حدیث جلد اوّل۔ ص ۱۹۰)

نیز لکھا ہے کہ "شارحین کے بیان کے مطابق امام موصوف نے اپنی وفات سے چالیس سال پہلے اس کو مرتب کیا تھا۔ اُن کی وفات ۱۷۹ھ میں ہوئی۔ اس

وجہ سے اس کی تالیف کا زمانہ ۱۴۰ھ سمجھنا چاہیئے۔ یہ کتاب چالیس سال تک اُن کے ہاتھوں میں رہی۔ اور اس کا درس وہ اپنے شاگردوں کو دیتے رہے۔ اس کی شرح زرقانی کے مقدّمہ میں ہے کہ جب امام موصوف نے اس کو مدوّن کیا تھا اُس وقت اس میں ۴ ہزار حدیثیں تھیں لیکن وہ سال بسال کانٹ چھانٹ کرتے رہے یہاں تک کہ اُن کے انتقال کے وقت اس میں صرف ایک ہزار روایتیں رہ گئیں۔"

(مقام حدیث جلد ۱ ص ۱۹۱)

اس کو کہتے ہیں تنکوں کا سہارا کہ مؤطا امام مالکؒ جیسی اہم اور مشہور و متداول کتاب جس کے بارے میں قدیماً و حدیثاً ہزاروں محدّثین اور فقہا۔ اور ائمہ دین نے اس پر کلّی اعتماد کیا اور کسی نے کانٹ چھانٹ اور کتر بیونت کا حوالہ نہیں دیا۔ مگر جیراجپوری صاحب اس کی اہمیّت کو گھٹانے اور مخدوش کرنے کے لیے زرقانی کے ایک حوالہ کو اپنی سپر اور ڈھال بنائے بیٹھے ہیں کہ اصل میں اس کی حدیثیں اتنی تھیں مگر آخر میں صرف ایک ہزار روایتیں رہ گئیں۔

دیانت اور انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ جس طرح اسلم صاحب بخاری مسلم اور امام مالکؒ وغیرہ کی بعض روایات پر تنقید کرتے ہیں، اسی طرح علامہ زرقانیؒ کی اس تاریخی روایت کو بھی تاریخ اور عقل کی ترازو میں تول کر دیکھ لیتے کہ آیا یہ صحیح بھی ہے یا نہیں؟ مگر اُن کو اس سے کیا غرض؟ وہ تو بہرحال اس فکر میں ہیں کہ کہیں حدیث کی کوئی کتاب ایسی باقی نہ رہ جائے، جس پر شک وشبہ کا بھرپور حملہ نہ کر دیا جائے۔

---

(۳)

نیاز صاحب فتحپوری!

یہ نام اور عنوان اس شخص کے متعلق قائم کیا گیا ہے جو بزعم خویش قرآن و حدیث اور تاریخِ اسلامی پر بڑی گہری نظر رکھتا ہے اور جو اپنی قابلیت اور لیاقت کی بنا پر عربی، انگریزی اور اردو کا نامور ادیب اور بیباک ناقد اور بیباک محقق سمجھا جاتا ہے جو من و یزدان وغیرہ متعدد کتابوں کا مؤلف اور رسالہ نگار کا مدیر ہے۔ جو علماء حق سے الحاد و زندقہ کے مختلف خطابات بھی حاصل کر چکا ہے۔ اس کے نظریات خود اس کی زبانی ملاحظہ کیجیے۔

۱۔ اسلامی لٹریچر سے بیزاری

نیاز صاحب کے اسلام سوز اور اخلاق کش نظریات کا علم جب بعض علماءِ کرام کو ہوا تو انہوں نے حسبِ ارشاد نبوی (علیہ الف الف تحیۃ) الدّین النصیحۃ ان کو راہِ راست پر ڈالنے کی کوشش کی اور عام مسلمانوں کو ان کے ردّی میلانات سے آگاہ کیا اور جب وہ نہ مانے تو اُن کے شدید اصرار پر علماء کی طرف سے اُن پر کفر و الحاد کا فتویٰ صادر ہوا تو نیاز صاحب ان پر برستے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"یہ تھا وہ سب سے پہلا فتویٰ کفر و الحاد جس نے مجھے یہ سمجھنے پر مجبور کیا کہ اگر مولویوں کی جماعت واقعی مسلمان ہے تو میں یقیناً کافر ہوں۔ اور اگر میں مسلمان ہوں تو یہ سب نامسلمان ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک اسلام نام ہے صرف کورانہ تقلید کا اور تقلید بھی رسول و احکامِ رسول کی نہیں، بلکہ بخاری و مسلم و مالک وغیرہ کی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ حقیقی کیفیّت یقین کی اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہو سکتی جب تک ہر شخص اپنی جگہ غور کر کے کسی نتیجے پر نہ پہنچے۔ قصّہ مختصر یہ کہ اوّلین بیزاری اسلامی لٹریچر کی طرف سے

مجھ میں احادیث نے پیدا کی۔" الخ (بلفظہٖ من ویزدان حصہ اوّل ص ۵۴۷)

محدّثین کرامؒ اور فقہاء عظامؒ کی کورانہ تقلید سے قدم باہر رکھ کر اور احادیث سے بیزار ہو کر جو جو انکشافات نیازؔ صاحب پر ہوئے ہیں اُن میں سے مشتے نمونہ از خروارے چند یہ ہیں۔ اور ان ہی سے ایک عقلمند اندازہ لگا سکتا ہے کہ نیاز صاحب کا مقام کیا ہے؟ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :۔

"اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے متعلق قرآن کے بتائے ہوئے تصوّرات، دوزخ و جنّت، حشر و نشر وغیرہ عقائد، ان سب کا مفہوم میرے لیے کچھ سے کچھ ہو گیا ہے کیونکہ اب مجھے نہ صرف یہ عقائد، بلکہ خود مذاہب کا وجود بچوں کا کھیل نظر آنے لگا الخ"

(بلفظہٖ من ویزدان حصّہ اوّل ص ۵۴۹)

غور تو کیجیے کہ احادیثِ رسول کا مضبوط اور مستحکم دامن چھوڑ کر اور محدّثینؒ و فقہاءؒ کی تقلید چھوڑ کر کیا نتیجہ برآمد ہوا؟ اور ایسا کرنے کے بعد بھلا اور ہو بھی کیا سکتا تھا؟ عالمِ اسباب میں اس کا جو ثمرہ نکل سکتا تھا سو وہی نکلا۔

۲۔ معجزہ کا عقیدہ

معجزہ کا عقیدہ قرآن و حدیث اور اسلامی تاریخ کے علاوہ تمام آسمانی کتب اور صحائف میں موجود ہے۔ اور کوئی قابلِ قدر عقلی اور نقلی دلیل اس کے خلاف پیش نہیں کی گئی اور نہ تاقیامت پیش کی جا سکتی ہے۔ البتہ خوئے بد را بہانہ ہائے بسیار کا اس دارِ فانی میں سرے سے کبھی کوئی علاج ہی نہیں (معجزات کی کچھ بحث راقم الحروف کی کتاب ضوء السراج میں ملاحظہ کیجیے) اور حضرت عیسٰی علیہ السّلام کے احیاءِ موتٰی، ابراءِ اکمہ و ابرص وغیرہ کے صریح معجزات خود قرآن کریم میں صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ مگر نیازؔ صاحب کا عقیدہ اور نظریہ بھی دیکھ لیجیے کہ کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :۔

"سب سے بڑی واہمہ پرستی جو سرچشمہ ہے اور بہت سے اوہام کا معجزہ ہے" من ویزدان، حصہ اوّل۔ ص۲۹)

اور حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں طنز بہ طور پر لکھتے ہیں کہ:۔

"اسی طرح مسیح نے بہت سے معجزے پیش کئے لیکن بالکل بے نتیجہ وہی مردے جن کو انہوں نے زندہ کیا۔ وہی اندھے جن کو انکھیارا بنایا اور وہی کوڑھی جنہیں چنگا کیا، ان پر ایمان نہ لائے (اس کا ثبوت؟ مگر یہ نہ پوچھیئے۔ صفدر) آپ کو معلوم ہے کہ اس کا کیا سبب تھا؟ صرف یہ کہ معجزے کبھی ظاہر ہی نہیں ہوئے بلکہ یہ سب داستانیں ہیں جو صدیوں بعد گھڑی گئیں" (بلفظہٖ من ویزدان حصہ اوّل ص۲۲)

قارئین کرام بڑے حیران ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے یہ جملہ معجزات تو خود قرآن کریم میں مذکور ہیں اور قرآن کریم خدا تعالیٰ کی کتاب اور اس کا کلام ہے پھر اس میں مصنوعی معجزات کے ذکر کرنے کا کیا مطلب؟ تو اس کا جواب خود نیاز صاحب کی زبانی آگے چل کر معلوم ہو گا کہ قرآن خدا تعالیٰ کا کلام ہے ہی کب؟ (العیاذ باللہ) جب قرآن کریم خدا تعالیٰ کا کلام ہی نہیں تو پھر اس میں اگر گھڑی ہوئی باتیں ہوں تو کیا تعجب؟)

۳۔ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے

تمام اہل اسلام ہر زمانہ میں اس کے قائل رہے ہیں اور بفضلہ تعالیٰ اب بھی اسی کے قائل ہیں کہ قرآن کریم کی ایک ایک آیت، ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف ونقطہ خدا تعالےٰ ہی کی طرف سے بواسطہ حضرت جبرائیل علیہ السّلام امام الانبیاء، خاتم النبیّین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر نازل ہوا ہے۔ مگر نیاز صاحب اس کا سختی سے انکار کرتے ہیں اور اس عقیدہ کو حد درجہ مضحکہ خیز قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"عام مسلمانوں اور مولویوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قرآن اپنے الفاظ اور اپنی ترتیب کے لحاظ سے بہ تمامہا پہلے لوح محفوظ میں منقوش موجود تھا اور فرشتہ (جبرائیلؑ) ہی محفوظ

ومنقوش کلام رسُول اللہ کو آکر سناتا تھا اور رسُول اللہ انہی آسمانی، الفاظ کو دہرا دیتے تھے، حد درجہ مضحکہ خیز ہے اگر قرآن کی زبان عربی نہ ہوتی بلکہ کوئی نئی زبان (شاید کہ سنسکرت یا گورمکھی یا انگریزی اور روسی وغیرہ۔ صفدر) ہوتی تو بھی خیر کچھ کہا جا سکتا تھا لیکن جب کہ وہ اسی زبان میں نازل ہوا تھا جو عام طور پر عرب میں رائج تھی تو اس کے الفاظ کو کیونکہ خدائی الفاظ کہا جا سکتا ہے؟ (جیسے نئی زبان میں نازل شدہ قرآن کے بارے میں خیر سے جو کچھ کہا جا سکتا ہے، وہ یہاں بھی بالکل ممکن ہے۔ صفدر) بہر حال قرآن کو خدا کا کلام اس حیثیت سے تسلیم کرنا کہ اس کا ایک ایک نقطہ، ایک ایک لفظ خدا کا بتایا ہوا ہے اور خود رسُول اللہ کے عقل و دماغ کو اس سے کوئی تعلق نہ تھا، خدا کو اس کے منصب سے گرا کر انسان کی حد تک کھینچ لانا ہے اور رسول کو سطح انسانیت سے بھی نیچے گرا دینا ہے۔" (بلفظہ من ویزدان حصہ اوّل ص۵۵۲)

ملاحظہ کیا آپ نے نیاز صاحب کا نظریہ کہ اگر قرآن کریم کا ایک ایک حرف اور ایک ایک لفظ منزل من اللہ تسلیم کر لیا جائے تو اس سے خدا تعالیٰ کو انسان کی حد تک کھینچ لانا ہے (العیاذ باللہ) اور اگر یہ نہ تسلیم کیا جائے کہ قرآن کریم جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی عقل مبارک اور دماغ کا نتیجہ ہے تو آپ کو انسانیت کی سطح سے نیچے گرا دینا ہے (معاذ اللہ) مگر اس کی کوئی صحیح اور معقول وجہ نیاز صاحب نے بیان نہیں کی کہ قرآن کریم کو خدا تعالیٰ کا کلام تسلیم کرنے سے خدا تعالیٰ کس طرح گر کر انسان کی حد تک آجاتا ہے؟ (العیاذ باللہ) اور وہ بے شمار اور صریح آیات جن میں نہایت وضاحت سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن کریم منزل من اللہ ہے۔ ان کا ان کے نزدیک کیا مطلب ہے، آخر وہ اس کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا کلام تو تسلیم کرتے ہیں اور اُن کی عظمت کا برائے نام تذکرہ بھی کرتے ہیں۔ کیا حضور نے خواہ مخواہ اس کی نسبت خدا تعالیٰ کی طرف کر دی؟ اور اس کی بھی کوئی دلیل نہ پیش کی کہ اگر جناب رسُول

اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو قرآنِ کریم کا مصنف نہ تسلیم کیا جائے بلکہ خدا تعالیٰ کا سچا رسول اور مبلّغِ قرآن مانا جائے تو آپ کی انسانیّت کیوں مخدوش ہو جاتی ہے؟ (العیاذ باللہ) آخر کوئی نہ کوئی وجہ تو ضرور ہو گی۔ آخر نیازؔ صاحب کا کلام ہے بلا وجہ تو ہرگز نہ ہو گا۔ نیز صاف اور صریح الفاظ میں نیازؔ صاحب خالق اور خلق سے بے نیاز ہو کر لکھتے ہیں کہ۔

"کلام مجید کو نہ میں کلامِ خداوندی سمجھتا ہوں اور نہ الہامِ ربّانی بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں۔ اور اس مسئلہ پر میں اس سے قبل کئی بار مفصّل گفتگو کر چکا ہوں۔"

(ملفظہ من ویزدان حصّہ دوم، ص۴۰۵)

قارئین کرام! دیکھا آپنے کہ محدّثینؒ اور فقہاءؒ کی ترکِ تقلید کیا رنگ لائی؟ اور احادیث سے بدگمانی اور بیزاری نے نیازؔ صاحب کو کہاں پہنچا دیا ہے کہ نہ تو انکے نزدیک قرآن کریم خدا تعالےٰ کا کلام ہے اور نہ الہامِ ربّانی، بلکہ ایک انسان کا کلام ہے۔ (العیاذ باللہ) غور کیا آپنے کہ قرآن و حدیث کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اگر حدیث سے بیزاری ہے تو لامحالہ قرآن کریم سے بیزاری ہو گی۔ اگر صحیح معنوں میں قرآنِ کریم کو تسلیم کر لیا گیا تو حدیث سے بھی ہرگز استغناء نہیں ہو سکتی۔ اور اندازہ لگایا آپ نے کہ محدّثین کرامؒ اور فقہاء عظامؒ کی ترکِ تقلید اس دنیا میں کیا شگوفے کھلاتی ہے اور انسان پر کس طرح رجعت پڑتی ہے: اور "اَلْمَرْءُ مع من احَبَّ اور "الحُبُّ فی اللہ" وغیرہ حدیثوں سے بیزاری کیا نتیجہ لاتی ہے؟ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ حُبَّكَ وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ

اگرچہ نیازؔ صاحب کے اس ناپاک عقیدہ کے بعد ان کے مزید خرافات پیش کرنیکی ضرورت نہیں مگر تاہم تکمیلِ بحث کے لیے اُن کے مزید اباطیل سے قارئین کی سمع خراشی کرنا ناگزیر ہے۔

۴۔ ثواب وعتاب جنت و دوزخ اور آخرت وغیرہ کوئی شئے نہیں

ثواب وعتاب، جنّت و دوزخ، حشر نشر اور قیامت کا عقیدہ ایک ایسا بنیادی

عقیدہ ہے جو تمام سماوی کتب اور صحائف میں بار بار دُھرایا گیا ہے۔ اور تمام نبی اور رسول اصولی باتوں میں اُن کو پیش کرتے رہے ہیں اور خداوندی تعلیم نے واشگاف الفاظ میں یہ حقیقت پیش کی ہے کہ یہ سب اُمور حق اور ثابت ہیں اور نری حقیقت ہے، نہ کہ کوئی تمثیل و مجاز یا تعبیر و استعارہ۔ مگر نیاز صاحب کا نظریہ بھی سن لیجیے، وہ لکھتے ہیں کہ:

"الغرض بقا، رُوح اور عذاب و ثواب کا عقیدہ خدا کی بے نیازی اور علم و عقل کو دیکھتے ہوئے ضرورت و مصلحت اور قانونِ قدرت دونوں کے خلاف ہے اور اس کو تسلیم کرانے کے لیے نہ کوئی ربّانی دلیل پیش کی جا سکتی ہے نہ اخلاقی و علمی"۔ بلفظہٖ من ویزدان حصّہ اوّل ص۵۳۱)

اور دوسرے مقام پر تحریر کرتے ہیں کہ:۔

"ہر چند دوسرے عالم سے حیات بعد الممات کا عالم مراد لینا میرے نزدیک درست نہیں اور اس سے مقصود صرف یہ کہنا ہے کہ کوشش کرتے رہو۔ اگر آج نہیں تو کل کامیاب ہو گے"۔ (بلفظہٖ من و یزدانِ حصّہ دوم، ص۲۲۳) نیز لکھتے ہیں کہ:۔

"اس میں شک نہیں کہ کلام مجید میں دوزخ و جنّت کا بیان اسی طرح کیا گیا ہے جیسے وہ کوئی مادی چیزیں ہوں۔ لیکن اس بیان کو حقیقت سمجھنا سخت غلطی ہے ان میں اکثر جگہ تو مقصود دُنیا ہی کی کامیابی و ناکامیابی کو ظاہر کرنا ہے اور یہیں کے نعائم و لذائذ اور شدائد و مصائب کو خاص انداز سے بیان کیا ہے اور کہیں کہیں اگر یہ بیانات حیات بعد الموت سے متعلق ہیں تو صرف بطریق مجاز ہیں اور لوگوں کو سمجھانے کے لیے"۔ (بلفظہٖ من و یزدان حصّہ دوم ص۱۶۲)

۵۔ مذہب کی حقیقت

اللہ تعالیٰ کے بارے میں اپنے خیال کے مطابق ایک خاص تصوّر قائم کر کے

نیازؔ صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"ہر چند خدا کے اس جدید تصوّر سے انبیاء و رُسل صحف مقدسہ، حیات بعد الموت دوزخ و جنّت، ملائکہ و شیاطین، حشر و نشر، عذاب و ثواب ختم ہو جائیں گے یا اُن کی کوئی عقلی توجیہہ و تاویل کرنا ہوگی۔ لیکن اس کا کوئی علاج نہیں۔ ہم کو ان مروّجہ عقائد اور خُدا، دونوں میں سے ایک کو لینا ہے۔ اور غالباً یہ زیادہ آسان ہوگا کہ خُدا کے مقابلہ میں ان معتقدات کو پسِ پُشت ڈال دیا جائے اور بقاءِ مذہب کی ہلکی سے ہلکی جو صورت ہو سکتی ہے، اُس پر قناعت کی جائے۔ میں اس سے قبل بھی بارہا لکھ چکا ہوں اور اب پھر اس کا اعادہ کرتا ہوں کہ جب تک مذہب کا وجود باقی ہے۔ دنیا کا امن سکون خطرہ میں ہے" الخ (من و یزدان حصہ اوّل ص۴۹۴)

یہ ہے جناب نیازؔ صاحب کے تحقیق انیق کا بحرِ بے ساحل کہ خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے ضروری عقائد کو انہوں نے خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں لا کھڑا کیا ہے اور پھر اس مزعوم تقابل کے بعد ان معتقدات کو پسِ پشت ڈالنے پر کمر بستہ ہیں اور مذہب کا شارٹ ہینڈ کر کے اُس کی ہلکی سے ہلکی صورت پر (جو غالباً جیب اور پاکٹ شریف میں سما سکے۔ صفدرؔ) قناعت کرنے پر آمادہ ہیں۔ بلکہ تأسف بر تأسف اور غضب بالائے غضب تو یہ ہے کہ نیازؔ صاحب کے خیال میں (جس کو وہ بارہا لکھ بھی چکے ہیں ﷲ اب دوبارہ اعادہ کئے بغیر انہیں چین ہی نہیں آتا کہ) جب تک مذہب کا وجود باقی ہے دنیا کو کبھی امن و سکون نصیب نہیں ہو سکتا۔ دنیا کا امن و سکون ہی اس امر میں مضمر ہے کہ روئے زمین سے مذہب کا وجود ہی مٹ جائے اگر مذہب کا وجود باقی رہا تو دنیا کو کبھی کسی وقت امن و سکون اور چین و آرام نصیب نہیں ہو سکتا۔

اور دوسرے مقام پر نیازؔ صاحب یوں ارقام کرتے ہیں کہ:۔

"بہر حال مذہب کسی زمانہ میں مفید ہوا یا مضر، بحالات موجودہ اس کے نقصانات

کھلے ہوئے ہیں اور اس کو ذریعۂ نجات قرار دینا حماقت ہے، البتہ اگر ملتوں کا امتیاز مٹا دینے کے بعد (کہ نہ کوئی مسلمان و ہندو ہے اور نہ یہودی عیسائی وغیرہ۔ صفدر) کوئی ایسا دین رائج کیا جائے جو اپنا نصب العین ماورا مسجد و مندر قرار دے تو بے شک چل سکتا ہے ورنہ مذاہب کی عمر اب ختم ہو چکی ہے اور تجربہ نے ان کو بہت ناکامیاب ثابت کیا ہے۔" (بلفظہ من ویزداں حصہ اوّل، ص ۶۵۷)

ملاحظہ کیا آپ نے کہ ایک طرف تو خدا تعالیٰ کے تمام رسول اور نبی اور اس کی تمام کتابیں اور صحیفے اور سارے نبیوں کی سب اُمتیں اور حتٰی کہ اُمّت مسلمہ یہی عقیدہ رکھتی اور بتلاتی آتی ہے کہ ذریعۂ نجات صرف آسمانی مذہب ہے۔ اور عبادت خداوندی کا محل عبادت خانے اور مسجد ہے، اور قیامت تک مذہب اسلام بلکہ (نزول حضرت عیسٰی علیہ السلام تک) دیگر مذاہب بھی باقی رہیں گے۔ مگر دوسری طرف نیاز صاحب کس جرأت اور دیدہ دلیری سے یہ کہہ رہے ہیں کہ مذاہب کی عمر اب ختم ہو چکی ہے اور اُن کے نقصانات بالکل کھلے ہیں بلکہ مذہب کو ذریعۂ نجات سمجھنا نری حماقت ہے (العیاذ باللہ)

ہاں اگر ان تمام مذاہب کو یکسر مٹا دیا جائے اور اس کے بعد کوئی اور مذہب رائج کیا جائے جس کا تعلق مندر وغیرہ کا تو کہنا ہی کیا مسجد سے بھی ہرگز نہ ہو، تو بلاشبہ وہ چل سکتا ہے۔

۶۔ اب خدا کی خُدائی صفت کا قرار ملحد ہی قائم کر سکتے ہیں۔

بہت ممکن ہے کہ کسی صاحب کو شبہ پیدا ہو کہ شاید نیاز صاحب ان موجودہ مذاہب کو مٹانے کے بعد کوئی ایسا مذہب رائج کرنا چاہتے ہوں جس میں بدعقیدہ و بے عمل اور بُرے اخلاق والے لوگ ختم ہو کر ان کی جگہ ایمان لانے اور کلمہ پڑھنے کی کوئی شرط ملحوظ ہو گی اور اس مذہب کے حامل کوئی بڑے باایمان اور بااخلاق اور فرشتہ صفت لوگ ہوں گے۔ اور وہ خدا تعالیٰ کی صحیح معنوں میں بندگی کریں گے اور اس کے ذریعے تقرب

خداوندی کے خواہاں ہوں گے، مگر ہم کیا کریں کہ نیاز صاحب خود خدا تعالےٰ کے عذاب اور عتاب سے (جو اقوامِ سابقہ پر اُن کی نافرمانی کی وجہ سے نازل ہوتا رہا) تمسخر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:۔

"خدا کو آگ برساتے ہوئے، خوُن اور پیپ پلاتے ہوئے آتشیں کوڑوں سے سزا دیتے ہوئے بہت زمانہ ہو چکا ہے۔ اب ضرورت ہے کہ وہ صرف زخموں پر مرہم رکھے۔ ٹوٹے ہوئے دلوں کو ڈھارس پہنچائے اور بجائے کسی خاص قوم پر لُطف کرنے کے (جیسا کہ وہ فرمانبرداروں اور وفاشعاروں پر اور اپنے نبیوں اور رسولوں اور اُن کے ماننے والوں پر کرتا کرتا رہا۔ صفدر) وہ تمام ہی نوعِ انسان کو اپنا ہی بندہ سمجھے اور نجات کا دروازہ بغیر کسی شرط (مثلاً کلمہ وایمان وغیرہ۔ صفدر) کے سب کے لیے کھول دے لیکن مُشکل یہ ہے کہ جب تک مذاہب کا عقائدی اختلاف دوُر نہ ہو خدا کا کوئی ایسا کائناتی تصوّر (جو بظاہر نیاز صاحب کے نزدیک کوئی کائناتی راکٹ کی طرح ہے۔ العیاذ باللہ۔ صفدر) قائم ہی نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی شخص اختلافِ عقائد کو مہمل قرار دیتا ہے تو اُسے ملحد و کافر کہا جاتا ہے۔ اس لیے میری رائے میں اب خدا کی خدائی اگر صحیح معنی میں قائم ہو سکتی ہے تو اس کی توقع ہم کو صرف کافروں اور ملحدوں ہی سے کرنا چاہیئے۔" (بلفظہٖ من ویزداں حصہ اوّل ص۵۲۸)

باقی عبارت کو عموماً اور خط کشیدہ عبارت کو ٹھنڈے دل کے ساتھ بار بار پڑھئے کہ نیاز صاحب نے کیا کہا ہے؟ اور ان کے نزدیک اگر تمام مذاہب کے عقائدی اختلاف کو ختم نہ کیا جائے تو خدا کے متعلق صحیح رائے اور کائناتی تصوّر کب قائم ہو سکتا ہے؟ اگر صحیح معنوں میں بقول نیاز صاحب خدا تعالیٰ کی خدائی قائم ہو سکتی ہے تو وہ صرف کافروں

اور ملحدوں ہی سے ہوسکتی ہے اور ایسے لوگ اس دور میں بہت ہیں۔ خصوصیت سے ملّتِ روسیہ اور کمیونسٹ جنہوں نے آج سے کئی سال پہلے زمین سے مذہب اور آسمان سے خدا کا جنازہ نکال کر اپنی سرحد سے باہر کیا تھا (العیاذ باللہ) اور اب ان کے کائناتی راکٹ نے بھی تو اُن کو باوجود لاکھوں میل کی بلندی پر پہنچنے کے اللہ میاں کا کوئی نام و نشان اور اتہ پتہ نہیں بتایا۔ اگر صحیح معنی میں اللہ تعالےٰ کی خدائی قائم ہوسکتی ہے تو بس انہیں کے ذریعے سے، نہ کہ باقی مذاہب سے جن میں عقلاً و نقلاً ہر لحاظ سے اپنے مستحکم اور ٹھوس دلائل اور براہین پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اسلام سب سے پیش پیش اور اب واحد ذریعۂ نجات ہے۔ اِن سے کب یہ باور کیا جاسکتا ہے کہ وہ خدا کی خدائی قائم کریں گے یا کبھی کی ہو یا کرسکتے ہوں؟ بخیال نیاز صاحب اسلام سے اس کی توقع ع

ایں خیال است و محال است و جنوں

۷۔ مذہب سے نقصان کیا لازم آتا ہے؟

اِن اقتباسات بالا کو پڑھنے والے حضرات بار بار یہ سوچتے ہوں گے اور رہ رہ کر ان کے دِل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہوگا کہ معتقدات مذہبی نے نیاز صاحب کا کیا بگاڑا ہے کہ وہ سرے سے اُن کے وجود کو ناپید کرنے کا اُدھار کھائے بیٹھے ہیں۔ آخر بلاوجہ تو یہ نہ ہوگا۔ لیکن انہوں نے خود اس کی پردہ دری کر دی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بدوں پردہ دری کے اندرونِ پردہ کا نظارہ بھی کب ہوتا ہے؟ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ:۔

"بعض لوگ کہتے ہیں کہ معتقداتِ مذہبی سے ہم کو کیا نقصان پہنچتا ہے اگر ہم دوزخ و جنّت، حور و قصور، جنّ و ملک، معجزہ و خرقِ عادات وغیرہ پر عقیدہ رکھتے ہیں تو اس میں حرج ہی کیا ہے جب کہ ان عقائد کا مقصود بھی اصلاحِ اخلاق ہے بظاہر یہ بات قرینِ عقل معلوم ہوتی ہے لیکن فی الحقیقت ان عقائد کے نقصانات

حد درجہ مہلک ہیں۔ یہ معتقدات چونکہ یکسر روایات پر مبنی ہیں اور عقل و درایت کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے ان کو صحیح سمجھ لینے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہمارا ذہن حقائق کی جستجو سے منحرف ہو جاتا ہے۔ اسباب و نتائج کے رابطہ کو سمجھنے کی اہلیت ہم میں باقی نہیں رہتی۔ انسان کے تمام قوائے ذہنی مضمحل ہو جاتے ہیں اور ترقی مسدود ہو جاتی ہے۔"
(بلفظہ من و یزدان حصہ اوّل ص۴۹۳)

یہ ہیں متعقدات مذہبی کے وہ نقصانات جن سے متاثر ہو کر نیاز صاحب نے ان کا شدت سے انکار کیا ہے اور ان عقائد کے حد درجہ مہلک نقصانات سے گلو خلاصی کی ہے۔ اگر وہ ان عقائد کے قائل اور ان پر کاربند ہوتے جو احادیث اور روایات پر مبنی ہیں تو عقل و درایت کا وہ وافر حصہ جو نیاز صاحب کو نصیب ہوا ہے وہ کب نصیب ہو سکتا تھا؟ اور پھر اسباب و نتائج کا رابطہ سمجھنے کی اہلیت ان میں کب باقی رہتی؟ اور ان کا ذہن حقائق کی جستجو میں کیونکر سرعت اور برق رفتاری کا ثبوت مہیا کرتا؟ اور جس ترقی پر وہ احادیث و روایات کے انکار کی وجہ سے پہنچے ہیں وہ اس کے بغیر کس طرح پہنچ سکتے تھے؟ محدثین کرامؒ اور فقہاء عظامؒ کی کورانہ تقلید کی مضبوط زنجیروں میں جکڑے رہنے کے بعد اور احادیث و روایات کو درست اور صحیح تسلیم کر کے نیاز صاحب پر یہ انکشافات کب ہو سکتے تھے کہ قرآن کریم خدا تعالیٰ کا کلام نہیں۔ قیامت، حشر و نشر جنّت و دوزخ، ثواب و عتاب، معجزہ و خرق عادات حور و قصور، جنّ و ملائکہ، صحف مقدسہ اور رُسل کا تصوّر وغیرہ۔ حتیٰ کہ خود مذہب کا وجود ہی سرے سے غلط ہے۔ اور جب تک مذہب باقی ہے دنیا کو کبھی سکھ اور چین کی گھڑی نصیب ہی نہیں ہو سکتی۔ بھلا بتلایئے تو سہی، ان اسباب و نتائج کے ربط کو کس محدّث و فقیہ نے سمجھا ہے؟ کیا امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ وغیرہ محدّثین سمجھے ہیں یا امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ وغیرہ فقیہ ہے کوئی مرد میدان جو اس تحقیق کو رد کرے؟ اور

نیازؔ صاحب کے اس ببرشیر کا جواب دے؛ جس کو وہ گویا کہ زبانِ حال سے یوں ادا کر رہے ہیں کہ ؎

پکڑ کر لایا ہوں میں شیرِ تحقیق
تم اپنے فیلِ معنیٰ کو نکالو

حضرات! آپ نے دیکھا کہ احادیث و روایات کو ترک کرنا اور محدثینؒ و فقہائے دین پر لحاظ سے اعتماد اور بھروسہ نہ کرنا اور کہو مہ کے لیے ترکِ تقلید کن کن نتائج پر مشتمل ہے۔ سچ ہے کہ ؎

گو فکرِ خداداد سے روشن ہے زمانہ
آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد

---

(۴)

ڈاکٹر غلام جیلانی صاحب برق

ڈاکٹر صاحب بزعم خویش علوم عربی پر عمیق نگاہ رکھنے والے اور بڑے محقق بھی ہیں اور اب تو ماشاء اللہ ایم، اے، پی، ایچ ڈی کی ڈگری کے بھی مالک ہیں اور "دو قرآن"، "ایک اسلام"، "حرفِ محرمانہ"، اور "دو اسلام" وغیرہ کے مؤلف بھی ہیں (ان کی کتاب دو قرآن کے رد میں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دار العلوم دیوبند نے ایک بلند پایہ علمی رسالہ لکھ کر گرفت کی ہے اور دو اسلام کے جواب میں راقم نے صرف ایک اسلام لکھ کر ان کا رد کیا ہے۔ اربابِ ذوق ضرور ان کا مطالعہ کریں)۔

برق صاحب کی بے اعتدالیوں اور کجرویوں کی داستان بھی کافی طویل ہے مگر ہم صرف چند نقول پر اکتفا کرتے ہیں۔ طائرانہ نگاہ سے ان کو بھی دیکھ لیا جائے۔

۱۔ احادیث سرے سے موضوع ہیں:۔

برق صاحب احادیث سے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

"احادیث از بس ناقابلِ اعتماد ہیں۔" (بلفظہٖ حرفِ محرمانہ ص۳)

اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی آنجہانی کی تصدیق کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں کہ:

"مرزا صاحب درست فرماتے ہیں کہ تمام حدیثیں تحریف معنوی و لفظی سے آلودہ یا سرے سے موضوع ہیں۔" (بلفظہٖ حرفِ محرمانہ، ص۵۷) اور دوسرے مقام پر یوں لکھتے ہیں کہ:۔

"لیکن حدیث! توبہ ہی بھلی۔ اس کا تو وہ ستیاناس ہوا کہ اس سے زیادہ محرف ہر ذی،

نزاشیدہ اور مسخ شدہ لٹریچر[1] دنیا کے صفحے پر موجود نہیں۔" (بلفظہ دو اسلام ص ۱۰۸)

۲۔ خنزیر کے بالوں کی برش۔

احادیث سے انکار کے بعد برق صاحب جس منزل اقصیٰ اور بام عروج پر پہنچے ہیں۔ اس کی کچھ جھلکیاں بھی ذرا ملاحظہ کر لیجئے۔

خنزیر اور سور ایک ایسی چیز ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اِنَّهٗ رِجْسٌ فرما کر بجمیع اجزائہ حرام اور ناپاک قرار دیا ہے۔ عام اس سے کہ اس کا گوشت و پوست ہو یا ہڈی اور بال۔ اور یہی تمام اہل اسلام کا عقیدہ رہا ہے اور اب بھی ہے مگر برق صاحب یوں گوہر افشاں ہیں کہ:۔

"سور کا گوشت (لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ) کبھی آپ نے غور فرمایا کہ کس طرح سور کے بال ہمارے تمدن کا جزو اعظم بنے ہوئے ہیں، ہر قسم کی بوتلیں خواہ وہ دوا کی ہوں شربت یا شراب کی۔ ایسے برش سے صاف کی جاتی ہیں جو سور کے بالوں سے تیار ہوتا ہے۔ نیز کپڑے اور دانت صاف کرنے کے برش اُنہی بالوں سے تیار کئے جاتے ہیں چونکہ غیب دان اللہ کو علم تھا کہ سور کے بال تیرہ سو برس کے بعد انسانی تمدن کا حصہ بن جائیں گے اس لیے سور کو حرام کرتے وقت لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ کے الفاظ استعمال فرمائے یعنی سور کا گوشت حرام قرار دیدیا اور بالوں کے متعلق خاموشی اختیار فرمائی۔" (بلفظہ جہان نو ص ۱۴۳، ۱۴۲)

غور فرمایئے کہ مشکوٰۃ نبوت سے اقتباس نور سے بے پروا اور حدیث رسول سے مستغنی ہو کر برق صاحب کو کیسی عمدہ تحقیق سوجھی ہے کہ سور کے بالوں کے برش

---

[1] اس کے مقابلہ میں برق صاحب کے نزدیک تمام صحف سابقہ تورات، زبور، اور انجیل وغیرہ میں کوئی تحریف نہیں ہوئی۔ چنانچہ وہ اپنے مزعوم تاریخی شواہد کی بنا پر لکھتے ہیں کہ صحف سابقہ میں کوئی تحریف نہیں ہوئی۔" (ایک اسلام ص ۱۲۲)

سے دیگر منافع حاصل کرنے کے علاوہ دانت بھی صاف کئے جا سکتے ہیں اور کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ برق صاحب نے کسی بارِ سُور کے بالوں کی بنی ہوئی برُش سے دانت نہ صاف کئے ہوں اور انسانی تمدّن کے اس جزوِ اعظم اور بہترین حصّہ سے وہ محروم رہے ہوں؟ آخر انہوں نے اسی تمدن کی دہلیز پر تو تدیّن کو قربان کیا ہے پھر اس انتفاع سے حرماں نصیبی کا کیا سوال؟ ؎

یہ بزمِ مَے ہے یاں کوتاہ دستی میں ہے محرومی
جو بڑھ کر خود اُٹھا لے ہاتھ میں مینا اُسی کا ہے

یہ آسان اور واضح وجہ برق صاحب کو کیوں نہ معلوم ہو سکی کہ چونکہ کُلُوْا کا امر اس سے قبل ذکر کیا گیا ہے اور کھانے کے سلسلہ میں صرف لَحْمُ الْخِنْزِيْر آتا ہے اس لیے دیگر ماکول اشیاء کی طرح یہاں بھی صرف گوشت کا ذکر کر دیا گیا ہے کہ مردار خون اور خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پر از روئے تقرّب نامزد کئے ہوئے جانور تم پر حرام ہیں۔ ان کو مت کھاؤ۔ مگر قرآن کریم کی یہ صحیح فہم و بصیرت تو احادیث اور محدّثینؒ و فقہاءؒ اور مفسّرینؒ پر اعتماد کرنے کے بعد ہی حاصل ہوتی ہے اور یہ وہ مہنگا سودا ہے جو برق صاحب کو کسی قیمت پر نہیں بھاتا۔

۳۔ گرمی میں روزہ کا حکم

صحیح احادیث اور اُمّت کے صریح اقوال اور ایک تفسیر کی رُو سے یہ ثابت ہے کہ ابتدائے اسلام میں تکلیف ہونے کی صورت میں روزہ نہ رکھنے اور اس کے عوض فدیہ دینے کی سب کو اجازت تھی مگر بعد کو ہر ایک کے بارے میں یہ حکم نہ رہا اور ان کے لیے روزہ ضروری قرار دیا گیا اور نصِّ قرآنی ہی سے فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ کہ "جو تم میں سے اس مبارک مہینہ میں موجود ہو تو ضرور روزہ رکھے" یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ ہاں البتہ بوڑھے اور سِن رسیدہ ضعیف مرد اور عورتیں اور اسی قسم کے

لاعلاج دائم المریض اس نسخ کے حکم سے تاہنوز مستثنیٰ ہیں۔ وہ اب بھی فدیہ دے سکتے ہیں۔ اور اگر "لَا یُطِیقُوْنَ" کی قرأت اور تفسیر ملاحظہ کی جائے یا باب افعال کا ہمزہ سلب کے لیے تسلیم کیا جائے تو نسخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اس سے صرف بوڑھے اور ضعیف لوگ ہی مراد ہوں گے مگر برق صاحب بلا کسی تفصیل کے ایک قرأت کو لے کر یوں ارقام کرتے ہیں کہ:۔

لَا یُطِیقُوْنَ سے مراد صرف ضعیف اور سِن رسیدہ بوڑھے ہیں اور یُطَوَّقُوْنَ سے وہ لوگ جنہیں روزہ تکلیف دیتا ہو۔ خواہ وہ جوان ہوں یا بوڑھے۔ چونکہ گرمیوں کا روزہ تقریباً ہر آدمی کے لیے تکلیف دِہ ہوتا ہے اس لیے ہر آدمی فدیہ دے سکتا ہے۔"

(بلفظہٖ جہانِ نو ص۲۹۸)

لیجئے اب تو روزہ سے بھی چھٹی مل گئی۔ فدیہ دے دیجئے اور بڑے شوق سے رمضان المبارک کے دنوں میں لذیذ اور مرغن غذائیں کھا کھا کر خوب فربہ ہو جئے اور روزہ کی اس تکلیف سے نجات حاصل کیجئے اور دعا دیجئے برق صاحب کو جنہوں نے مسلمانوں کی اس تکلیف کا ازالہ فرمایا۔

راہ نما قوم کے سادہ بھی ہیں پُرکار بھی ہیں!
سعیِ تخریب بھی ہے کوششِ تعمیر بھی ہے

۴۔ رام، کرشن، سقراط اور بدھ وغیرہ سب نبی ہیں اور ہر لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم مرتبہ ہیں (معاذ اللہ)

قرآنِ کریم کی نصوصِ قطعیہ، متواتر احادیث اور تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ یہود و نصاریٰ نے اپنی کتب میں تحریف کا ارتکاب کیا ہے اور یہ بھی منصوص ہے کہ اسلام کے بغیر کوئی مذہب اب خدا تعالیٰ کی رضا جوئی تک پہنچانے کا کفیل نہیں ہے۔ وَمَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا الآیۃ وغیرہا آیات اس پر شاہد عدل ہیں اور یہ بھی قطعیات کے ساتھ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے

رتبہ اور درجہ میں اعلیٰ اور افضل ہیں۔ نہ تو اب تک اُن کا کوئی نظیر پیدا ہوا اور نہ قیامت تک پیدا ہو گا ؎

رُخِ مصطفےٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ

نہ ہماری بزمِ خیال میں، نہ دوکانِ آئینہ ساز میں

لیکن برق صاحب کی بھی سُنیئے کہ وہ اہل اسلام پر طنز کرتے ہوئے کیا کچھ لکھتے ہیں کہ :۔

"گزشتہ تیرہ سو برس سے ہم تورات و انجیل اور دیگر صحائف کی تردید و تحریف پر تقریر و تحریر کے دریا بہا رہے ہیں (شاید اسی طرح جس طرح برق صاحب نے پی ایچ ڈی کی ڈگری ملنے پر حقِ نمک ادا کرتے ہوئے احادیث پر بداعتمادی کا دریا بہا کر اور انگریزوں کو مسلمان ثابت کر کے اپنا پسینہ بہایا ہے۔ صفدر) ہر قوم کے ہر فرد کو (اور خصوصاً انگریزوں کو، اور علی الاخص لیڈیوں کو جن کے اسکول کے اب خیر سے برق صاحب کیمبلپور میں انچارج اور ہیڈ ماسٹر ہیں۔ صفدر) کافر و جہنمی قرار دے رہے ہیں۔ اپنے ہر خطبے میں اپنے رسُول (حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم۔ صفدر) کو خیر الانبیاء کہہ کہہ کر لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ کی صریح خلاف ورزی کر رہے ہیں۔" (بلفظہٖ جہانِ نو ص۱۳۵)

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ :۔

"دوسری اقوام کے انبیاء پر ایمان لانا ان کے اسوۂ حسنہ پر چلنا اُن کے مناقب بیان کرنا انہیں ہر لحاظ سے محمد صلعم کا ہم مرتبہ ثابت کرنا اور ان کی تعلیمات کو تعلیمات قرآن کہنا ہمارا کام تھا لیکن اسے کر رہے ہیں بعض غیر مسلم" الخ (ایک اسلام ص۲۴)

یعنی مطلب یہ ہوا کہ یہ کام تو مسلمانوں کے کرنے کا تھا کہ وہ ہر لحاظ سے اور ہر اعتبار سے دیگر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کو جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا ہم مرتبہ ثابت کرتے کہ جیسے آپ خاتم النبیّین ہیں، اسی طرح دیگر تمام انبیاء بھی خاتم النبیّین ہیں۔ اور جیسے آپ کو منجانب اللہ قرآن کریم عطاء ہوا، اسی طرح تمام

نبیوں کو قرآن مجید ملا ہے ۔ اور جیسے آپ تمام اِنس وجِنّ کے لیے قیامت تک کے لیے نبی اور رسول ہو کر تشریف لائے ہیں بعینہٖ اسی طرح باقی تمام نبیوں کو بھی تسلیم کیا جائے مگر شکوہ یہ ہے کہ یہ کام مُسلمان نہیں کر رہے بلکہ اُن کو بعض غیر مسلم کر رہے ہیں اور قرین قیاس یہ ہے کہ خود برقؔ صاحب بھی اسی گروہ میں شامل ہیں اور دوسری اقوام کے انبیاء جو برقؔ صاحب کے نزدیک ہر لحاظ سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کے ہم مرتبہ ہیں ۔ (العیاذ باللہ) خود اُن کی زبانی بعض یہ ہیں :۔

"مثلاً موسیٰؑ و عیسیٰؑ، ابراہیمؑ و محمدؐ، رام و کرشن، سقراط و کنفوشش اور زرتشت و بدھ علیہم السّلام" الخ (بلفظہٖ ایک اسلام ص ۲۵)

گویا اس لحاظ سے مطلب یہ ہوا کہ یہ تو مسلمانوں کا فریضہ ہے کہ وہ رام و کرشن، سقراط و کنفوشش، زرتشت اور بدھ کو نہ صرف یہ کہ قطعی طور پر نبی تسلیم کریں بلکہ ان کو ہر لحاظ سے حضرت محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ہم مرتبہ بھی ثابت کریں حتیٰ کہ ختم نبوّت وغیرہ وغیرہ تمام ان لوازمات اور اوصاف میں بھی جو آنحضرت صلّے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے لیے دلائل قطعیہ کے ساتھ ثابت ہیں ۔ اور اُن کی تعلیمات کو بعینہٖ قرآن کریم کے ہم پلّہ وہم پایہ تسلیم کریں ورنہ مُسلمان اپنا اسلامی کام اور فریضہ چھوڑ کیونکہ مسلمان بننے اور کہلانے کے مستحق ہو سکتے ہیں ؟ سچ ہے کہ :۔

قوام قوم کا مذہب ہی ہے زمانہ میں
کہاں کی قوم جب اُس کا کوئی قوام نہیں

۵۔ ایمان بالرسل نجات کیلیے ضروری نہیں

مگر یہ یاد رہے کہ برقؔ صاحب کے نزدیک انبیاء اور رُسل پر ایمان لانا نجات کے لیے ضروری نہیں ہے ۔ بلکہ اگر کوئی شخص صرف اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان لے آئے تو وہ مومن اور ناجی ہے ۔ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ :۔

اللہ تعالیٰ نے اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ کو قبولِ اعمال کی بنیادی شرط قرار دیا ہے اس میں ایمان بالرسل شامل نہیں۔" (ایک اسلام ص ۴۸)

یہ وہی برق صاحب ہیں جنہوں نے دوسری اقوام کے انبیاء پر ایمان لانا مسلمانوں کا کام بتایا تھا مگر اب اپنا لکھا بھی بھول گئے ہیں۔ بقول شخصے کہ دروغ گو را حافظہ نہ باشد۔ سچ کہا گیا ہے کہ ؎

تمہیں عادت ہے بھول جانے کی!

برق صاحب نے یہ بات بتانے کی ذرہ بھر زحمت گوارا نہیں کی کہ خدا تعالیٰ کے بتلائے ہوئے اصولی اور بنیادی عقائد کو تسلیم کئے بغیر کوئی شخص مومن باللہ کیسے ہوگا؟ اور قرآن کریم میں دوسرے مقامات پر ایمان باللہ کے ساتھ رسل، ملائکہ اور کتب وغیرہا پر ایمان لانے کا جو ذکر ہے وہ کہاں جائے گا؟ اور اس کا مفہوم اور مطلب کیا ہوگا؟

جہالت کا پڑا ہے فہم و دانش پر ترے پردہ
ارے کمبخت اتنا بھی کبھی تو نے نہیں سوچا!

۶۔ ایمان بمحمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی نجات کے لیے ضروری نہیں ہے۔

نہ صرف یہ کہ باقی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر ایمان لانا ہی برق صاحب کے نزدیک قبولِ اعمال کی بنیادی شرط سے خارج ہے بلکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم پر ایمان لانا بھی ضروری نہیں ہے۔ چنانچہ فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ الآیۃ وغیرہا صریح آیات کو چھوڑ کر غیر متعلق آیات سے (جن میں اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کو محض اس لیے ملامت کی ہے کہ وہ تورات و انجیل پر باوجود دعوائے ایمان کے ایمان نہیں لائے۔ کیونکہ اگر وہ ان پر ایمان لاتے تو لابدی تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت بھی تسلیم کرتے۔ جن کی خوشخبری تورات میں اور بشارت انجیل میں مصرح ہے۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا) استدلال کرتے ہوئے

برقؔ صاحب یوں لکھتے ہیں کہ:۔

"ملاحظہ فرمایا آپ نے۔ کہ اللہ تعالیٰ اٰیۃ وَلَوْ اَنَّھُمْ اَقَامُوْا میں نیک یہود و نصاریٰ کو مژدۂ رحمت سنا رہا ہے۔ یہ لوگ خدا و آخرت پر تو ایمان رکھتے تھے۔ لیکن ہمارے حضورؐ کی رسالت کے قائل نہ تھے۔ ممکن ہے کہ مُلاّ میری اس تحریر سے بھڑک اٹھے اور کہے کہ لو جی یہ زندیق و ملحد نجات کے لیے ایمان بر محمد (علیہ السّلام) کو ضروری نہیں سمجھتا۔

ابھی حضرت مولانا! مجھ پہ مت برسیئے۔ میں اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کہہ رہا۔ قرآن سُنا رہا ہوں۔ اللہ کا فیصلہ پیش کر رہا ہوں" الخ (بلفظہٖ ایک اسلام ص۴۶)

یہ ہے منکرینِ حدیث کی قرآنی بصیرت اور قرآنی زاویۂ نگاہ جس کی طرف وہ گلے پھاڑ پھاڑ کر اور قلم اور انشاء کا پورا زور صرف کر کے لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔ جس میں نہ ایمان بالرُّسل ضروری ہے اور نہ ایمان بر محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم (العیاذ باللہ)

سچ فرمایا ہے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کہ میری اُمّت میں اختلاف رونما ہوگا اور ایک ایسا فرقہ پیدا ہوگا جو بات تو اچھی اور معقول کہے گا مگر پرلے درجے کا بدعمل ہوگا۔ وہ قرآن تو پڑھے گا مگر اس کے حلق سے نیچے قرآن نہیں اُترے گا۔ دین سے وہ ایسا نکل جائے گا جیسے تیر شکار کو چھید کر آگے نکل جاتا ہے۔ وہ خدا کی ساری مخلوق سے بدتر ہوگا۔

پھر آگے ارشاد فرمایا ہے کہ:۔

یدعون الی کتاب اللہ ولیسوا منہ فی شیئی (ابوداؤد جلد۲ ص۳۱۳)	وہ لوگوں کو اللہ کی کتاب کی طرف دعوت تو دیگا مگر کتاب اللہ سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا۔

یقیناً اس زمانہ میں وہ گروہ نام نہاد اہل قرآن کا ہے جو حدیث رسولؐ کا منکر ہے لاریب فیہ

۷۔ عیسائی اور یہودی بھی خُدا اور رسُول کے صحیح پیروکار ہیں

جب ایمان بر محمد صلی اللہ علیہ وسلّم نجات کے لیے ضروری نہیں تو دیگر اقوام عموماً اور یہود ونصاریٰ خصوصاً کیوں ناری اور جہنّمی ہوں؟ اور ان کے اعمال کیوں نیکی نہ ہو؟ اور اُن کو بھلا کافر اور جہنّمی کہنا بھی کس طرح جائز اور صحیح ہوسکتا ہے یہ محض کوئی ہوائی بات نہیں ہے بلکہ برق صاحب کے بے باک قلم سے صادر شدہ ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

اسلام کسی زبانی اقرار (مثلاً کلمہ طیبہ وغیرھا صفدر) کا نام نہیں بلکہ نیکی کا نام ہے۔ اگر ایک عیسائی نیکی کر رہا ہے تو وہ قرآن کے رُو سے مسلمان ہے رسول و قرآن کا صحیح پیرو وہی ہے، جو نیک ہو۔ نہ کہ وہ جو کلمہ پڑھ کر سارے جہان کی بدمعاشیاں کرتا پھرے۔ آپ کے ہاں اسلام چند عقائد (نہیں بلکہ بہت سے اعمال کا بھی۔ صفدر) نام ہے اور قرآن کے نزدیک صرف نیکی کا۔ اس لیے خدا اور رسول کا صحیح پیرو وہ ہے جو ان احکام پر عمل کر رہا ہے خواہ اس پر عیسائیت کا لیبل لگا ہوا ہو یا یہودیت کا۔ نہ وہ جو خدا اور رسول کا صرف زبانی قائل ہو اور عملاً کافر" (دو اسلام ص ۱۹۳)

یہ عقدہ ابھی تک حل نہیں ہوا کہ وہ کون سی نیکی ہے جو ہو تو نیکی مگر اسلام کے عقائد اور زبان سے اُن کے اقرار سے متصادم ہوتی ہو۔ جس پر یہود و نصاریٰ گامزن ہو کر قرآن کے رُو سے مسلمان اور خُدا اور اس کے رسول کے صحیح پیرو ہوں۔ اور وہ مسلمان جو دنیا جہان کی بدمعاشیاں کرتا ہے اور باوجود مجرم اور گناہ گار ہونے کے اسلامی عقائد کا اقرار کرتے ہوئے بھی وہ نا مسلمان رہے بلکہ کافر کہلائے؟ اور دوسرے مقام پر برق صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"اور اس لیے یہ کہنا کہ سب عیسائی اور یہودی بلا استثناء کافر و جہنّمی ہیں، گناہ ہے" (بلفظہ جہانِ نو ص ۱۳۸)

یہ ہے دعوت الی القرآن کی ایک جھلک کہ عیسائیوں اور یہودیوں کو بھی کافر اور

جہنمی کہنا گناہ ہے۔

۸۔ گناہ گاروں کے لیے شفاعت نہ ہوگی۔

نصوص قرآنیہ (مثلاً یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا۔ (طٰہٰ۔ ع) اس دن کام نہ آئے گی سفارش مگر جس کو اجازت دی رحمٰن نے اور پسند کی اُس کی بات۔ اور لَا یَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا (پ۱۶، مریم، ع ۶) نہیں اختیار رکھیں گے لوگ سفارش کا مگر جس نے لے لیا رحمٰن سے وعدہ۔ وغیرھا آیات) اور احادیث متواترہ اور اُمّت کے اتفاق سے قیامت کے دن شفاعت کا حق ہونا ثابت ہے جو اپنے اپنے مقام پر ملائکہ، انبیاء اور صلحاء وغیرہ کریں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم شفاعت کبریٰ کے بلند رتبہ سے نوازے جائیں گے اور اس شفاعت سے جہاں بعض حالات میں نیک مستفید ہوں گے۔ وہاں بدکاروں اور مجرموں کو بھی بشرطیکہ وہ مومن اور مسلمان ہوں، محروم نہیں رکھا جائیگا۔ لیکن دیگر منکرین حدیث کی طرح برقؔ صاحب بھی مسلمانوں سے اتنے نالاں اور بیزار ہیں کہ اُس جہاں میں بھی وہ ان کے لیے شفاعت کا وسیع دروازہ بند کر دینا چاہتے ہیں اور واضح تر الفاظ میں لکھتے ہیں کہ:

"مسلمانوں کو یقین ہونا چاہیئے کہ بدکاروں، جھوٹوں اور دغا بازوں کی شفاعت کبھی نہیں ہوگی۔ اگر میری اس گزارش پر آپ جبین بہ جبیں ہو رہے ہیں تو الٰہی فیصلہ سنیئے۔ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّلَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ۔ (مومن۔ ۱۸) ظالموں کے لیے وہاں کوئی مددگار یا سفارشی نہیں ہوگا" (دو قرآن ص ۲۶۵)

اِس مقام پر ظالمین سے مراد سیاق و سباق کے پیشِ نظر صرف مشرک اور کافر ہیں جیسا کہ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ سے عیاں ہے اور کافروں اور مشرکوں کے لیے شفاعت کا غیر مفید ہونا نصوص قطعیہ اور صریحہ سے ثابت ہے۔ اس سے بھلا

گنہگاروں اور مجرموں کے لیے عدم شفاعت کہاں سے نکلی جو اہلِ توحید میں سے ہوں جیسا کہ برق صاحب کا باطل مدعیٰ ہے۔

۹۔ مُلّا سے نزاع کیوں ہے؟

منکرینِ حدیث کا اصل مقصد تو انکارِ حدیث سے صرف یہ ہے کہ چونکہ پابندی کی زندگی جو احادیث سے ثابت ہے وہ ان کے لیے ایک نہایت ہی سنگ گراں اور دشوار امر ہے اور احادیث کو تسلیم کر لینے کے بعد دین پر اپنی خواہش اور مرضی سے گوشت اور پوست چڑھانا کوہ کندن اور کاہ بر آوردن کا مصداق ہے۔ اس لیے درمیان کے اس روڑے کو ہٹانا ضروری سمجھتے ہیں، تاکہ اُن کو تکمیل خواہش کے سلسلہ میں کوئی دِقّت پیش نہ آئے اور مسلمانوں کی آنکھوں میں خاک ڈالنے کے لیے یہ کاروائی کرتے ہیں کہ قرآن کا نام ضرور لیں اور بعض نادان غلط فہمی اور خود فریبی میں مبتلا ہو کر دعوتِ الی القرآن کا خوشنما لیبل لگا کر متاعِ ایمان پر ڈاکہ ڈالتے ہیں اور اسلام کے بہت سے واضح احکام سے تنگ آکر وہ من مانی زندگی بسر کرنے پر راضی اور آمادہ ہیں۔ کیونکہ ان کو تو بہت ہی مختصر سا اسلام درکار ہے، چنانچہ برق صاحب لکھتے ہیں کہ :۔

> ملّا سے میرا نزاع اس بات پر ہے کہ وہ حدیث کو آگے لا کر بے شمار ظواہر کو جزوِ اسلام بنانا چاہتا ہے اور میں قرآن کو پیش کر کے ملّت کو ان ملّائی قیود سے آزاد کرانا چاہتا ہوں۔ (بلفظہٖ دو اسلام ص۱۱۴)

غور کیجئے کہ برق صاحب کیا کہہ گئے ہیں۔ اور انکارِ حدیث کی علّت اور لِم اور اس کا سبب وہ کس چیز کو قرار دیتے ہیں کہ مُلّا بے چارہ حدیث کے پیشِ نظر بہت سے ظاہری عقائد اور اعمال، اخلاق، معاملات کو حسبِ مراتب اسلام کی جزو بناتا ہے اور برق صاحب اُن سے اکتائے بیٹھے ہیں۔ وہ بزعم خود قرآن کو پیش کر کے ان مُلّائی قیود سے رہائی دلوا کر اُمّتِ مسلمہ پر کرم فرمائی کرتے ہیں اور اُن کو ان سلاسل

اور اغلال سے نجات دلاتے ہیں اور قرآن بھی وہی جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے کہ نجات کے لیے ایمان بالرسل ضروری نہیں۔ حتیٰ کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم پر ایمان لانا بھی ضروری نہیں اور کرشن اور بدھ، رام چندر اور زرتشت، وغیرہ کو ہر لحاظ سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ہم پلّہ قرار دینا (العیاذ باللہ) اور سُور کے بالوں سے تیار کی ہوئی برُش سے دانت صاف کرنا اور گرمی میں ہر ایک کے لیے روزہ ترک کر کے فدیہ دے دینا اور یہودیوں اور عیسائیوں کو مُسلمان کہنا اور ان کو جنّتی کہنا گناہ قرار دینا حتیٰ کہ باباگرونانک کو ولی قرار دینا (جیساکہ برقؔ صاحب لکھتے ہیں کہ بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ ۱۴۶۹ء کو تلونڈی میں پیدا ہوئے۔" الخ (بلفظہٖ ایک اسلام ص۱۹۹ اور ص۲۰۴ میں لکھا ہے باباگرونانک علیہ الرحمۃ اھ) غالباً اسی قسم کے ہوں گے وہ چند گنے چُنے احکام، جن کا برقؔ صاحب نے ذکر کیا ہے کہ،

" قرآن کے گنے چُنے چند سادہ سے احکام کے سوا ہم کسی ہنگامی حکم یا وقتی ہدایت پر ہمیشہ کے لیے قطعی مامور نہیں "۔ (دو اسلام ص۱۱۳)

اور یا کچھ وہ احکام ہوں گے جو انبیاء کے ستّر صحائف میں ملتے ہیں۔ بقول برقؔ صاحب :۔

" کہ اعمال صالحہ وہ نہیں جن کی تفصیل مُلّا پیش کرتا ہے بلکہ وہ ہیں جن کی تشریح انبیاء کے ستّر صحائف میں ملتی ہے "۔ (بلفظہٖ ایک اسلام ص۲۷۹)

ان صحائف میں کون سے اعمال صالحہ ہیں ؟ اگر کسی کو شوق ہو تو راقم کی کتاب صرف ایک اسلام میں ان کی چند نظریں ملاحظہ کر لے اور پھر برقؔ صاحب کو کوئی قولی تحفہ بھیجے۔ جس سے برقؔ صاحب کی علمی اور تحقیقی داد پوری ہو رہی ہیں وہ کچھ بکھرے ہوئے موتی جو برقؔ صاحب کی کتابوں میں چمک اور جھلک رہے ہیں۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہِ۔

یہ یاد رہے کہ برقؔ صاحب کا خاندان نسلاً بعد نسلاً مُلّا چلا آتا ہے اور پہلے برقؔ صاحب بھی حدیث کو بڑے ادب اور احترام سے دیکھا کرتے تھے۔ چنانچہ بحث

کے ایک موقع پر وہ لکھتے ہیں کہ :۔

"حدیث کا نام سن کر میں ڈر گیا اور بحث بند کر دی" الخ (دو اسلام ص۱۵) اور یہ وہ زمانہ تھا جس میں وہ بقولِ خود اہلِ علم کی آبائی تقلید میں گرفتار تھے۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں کہ :۔

"لیکن میرے قلب و نظر پہ تقلید کے پہرے بیٹھے ہوئے تھے علم کم تھا اور فہم محدود" اھ (دو اسلام ص۱۵)

اور پھر جب تقلید کی اس پُر از خار وادی سے انہوں نے قدم باہر رکھا تو پھر اُن کی آنکھیں یک بیک روشن ہو گئیں اور وہ تمام مسائل اُن پر منکشف ہو گئے جن میں سے بعض کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے، جس طرح کہ وہ خود لکھتے ہیں کہ :۔

"میری آنکھیں کھل گئیں۔ اندھی تقلید کی وہ تاریک گھٹائیں جو دماغی ماحول پر محیط تھیں، یک بیک چھٹنے لگیں اور اللہ کی سنتِ جاریہ کے تمام گوشے بے حجاب ہونے لگے" (دو اسلام ص۱۹)

ناظرین کرام بعض گوشے سطور بالا میں ملاحظہ کر ہی چکے ہیں اور باقی ؎

قیاس کُن زگُلستانِ من بہارِ مرا

ڈاکٹر احمد دین صاحب، اکالگڑھ (ضلع گوجرانوالہ)

عمل بالحدیث شرک ہے

اس گروہ کے ایک رُکنِ رکین ڈاکٹر صاحب بھی ہیں، جو حدیث کے سخت مخالف ہیں اور عمل بالحدیث کو شرک قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :۔

"رسول اللہ کے نام پر منسوب کردہ باطل روایات پر عمل کرنا توحید نہیں بلکہ اصل

شرک ہے۔ جو نہایت ارادہ سے اور بڑے غور سے سمجھ کر کیا جاتا ہے اور یہ آپ کو معلوم ہے کہ مشرک کے لیے کبھی بھی نجات نہیں ہے۔ مشرک ابدی جہنمی ہے۔"
(بلفظہ پیغامِ توحید ص۵)

نیز لکھتے ہیں کہ :۔

" اور ہم لوگ بھی وحدتِ الٰہی حاصل کرتے ہوئے اہل حدیث بنے تھے پھر معلوم ہوا کہ یہاں بجائے وحدتِ الٰہی کے وہ شرک ہے جو نہایت سمجھ سوچ کر بڑے غور سے کیا جاتا ہے۔" (پیام توحید ص۱۶)

اور پھر ایک جگہ لکھتے ہیں کہ :۔

"کیونکہ کتُب صحاح ستہ قطعی طور پر قرآن مجید کے خلاف ہیں۔" (ص۵)

نتیجہ بالکل واضح ہے کہ جب صحاح ستہ بلا استثنا قطعی طور پر قرآن مجید کے خلاف تو ان میں تمام روایات باطل ٹھہریں اور ان پر عمل کرنا اصل شرک ہے اور یہ تو آپ کو معلوم ہے ہی کہ مشرک ابدی جہنّمی ہے۔ اُس کو لمحہ بھر کے لیے دوزخ سے نکلنا نصیب نہیں ہوگا۔ اور یہ ایک کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ ہزار سال سے زیادہ تمام فقہاء، محدّثین اور بزرگانِ دین بلکہ عام مسلمان بھی بقدر وسعت صحاح ستہ پر عمل کرتے رہے ہیں اور اب بھی عمل کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ سب کے سب مشرک اور جہنمی ہیں اور ان کی کبھی بھی نجات نہیں ہو سکے گی (العیاذ باللہ) ہاں اگر جنّت کے وارث ہیں اور توحید خالص کے دلدادہ ہیں تو صرف وہ لوگ ہیں جو حدیث کا سرے سے انکار کرتے اور اس کو باطل قرار دیتے ہیں۔ لیجئے دین و ایمان کتنا سہل اور آسان ہو گیا اور منکرین حدیث کا اُمّتِ مرحومہ پر کیسا اور کتنا عظیم احسان ثابت ہو گیا کہ وہ تا قیامت اُن کے احسان کے شکریہ سے سُبکدوش نہ ہو سکے (العیاذ باللہ) ؎

کیے لاکھوں ستم اس پیار میں بھی آپ نے ہم پر — خدا معلوم گر تم خشمگیں ہوتے تو کیا کرتے

نیز ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ :۔

" ان روایات کے مصنّفین کی مثال یہ ہے کہ جس طرح سامری نے مِنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ کہہ کر بنی اسرائیل قوم سے بچھڑے کی پرستش کروائی تھی اسی طرح ان مذکورہ بالا مصنفین نے قال قال رسول اللہ کہہ کر اس مصنوعی حدیث کی پرستش کروائی ہے ۔" بلفظہٖ پیغامِ توحید ۔ صٹ)

اور ڈاکٹر صاحب ان مصنّفین کے نام مع ان کی سن وفات کے صٹ میں لکھ کر ان کے نام یہ بتاتے ہیں :۔

" بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، ابنِ ماجہ اور نسائی ۔"

اور طویل بحث کے بعد آگے یوں تحریر کرتے ہیں کہ :۔

" یہ مذکورہ لوگ صحاح ستہ روایات طوفان کے تیار کرنے والے ہیں ، جو مسلمانوں میں فرقہ بندی کرنے کے اصل موجد ہیں ، جنہوں نے بعد وفات جناب رسول اللہ کے اڑھائی سو سال کے بعد مختلف فرقوں کی بنیادیں قائم کی ہیں ۔ یہ لوگ مسلمانوں کے امام بنائے جاتے ہیں جو محمد رسول اللہ کے نام کی طرح ہی مانے جاتے ہیں ۔ ان اماموں نے اپنی بائیبل کی جھوٹی روایات کو اور اپنی ذاتی افترا کو رسول اللہ کے نام پر لوگوں کو منوائی ہیں ۔" (بلفظہٖ پیغامِ اتحاد بالقرآن ، صٹ)

۲۔ صحاح ستہ کے مؤلفین یہودی اور نصرانی تھے (العیاذ باللہ)

ڈاکٹر احمد دین صاحب ان محدّثین پر برستے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

" جناب محمد رسول اللہ اور مومنین نے جس وقت تبلیغ قرآن کی شروع کی تھی تو مخالفین یہود و نصاریٰ اور دیگر کفّار مخالفت کرنے لگے اور ہر طرح سے تبلیغ کو روکتے رہے (الی ان قال) یہ مذکورہ جماعت مخالفین کی ہے ۔ جس کی بابت قرآن مجید میں مفصّل ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہوا ہے ۔ یہی جماعت منافقین کی ترقی

کہتے ہوئے بعد وفات جناب محمدؐ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے کچھ زمانہ گزر جانے کے بعد یہ کتابیں بنا کر اپنے مذہب بائبل کی اشاعت کرنی شروع کر دی۔"

(بلفظہٖ پیغامِ اتحاد بالقرآن ص ۱۲)

۳۔ جن پتّوں پر قرآن مجید لکھا ہوا تھا۔ اُن کو بکری کھا گئی تھی

اور پھر یہ بھی صاف اور صریح الفاظ میں لکھا ہے کہ:۔

بائبل کی تمام جھوٹی روایات کو اور اپنی ذاتی افتراء کو بھی عربی میں قال قال رسول اللہ کے نام درج کرنے لگے، اور نہایت میٹھے طریقے سے قرآن مجید کی کمی بیشی ثابت کرنے لگے۔ دیکھو صحاح ستہ میں قرآن مجید کی بابت لکھا ہوا ہے کہ جب قرآن مجید کی سورتیں نازل ہوتی تھیں تو کاغذوں، ہڈیوں، چمڑے، پتھروں اور پتّوں پر مختلف جگہ لکھی جاتی تھیں۔ جو پتّوں پر آیتیں تھیں وہ مائی عائشہؓ کے سرہانے تھیں وہ بکری کھا گئی تھی۔" (بلفظہٖ پیغام اتحاد بالقرآن ص ۱۲، ص ۱۳)

صحاح ستہ کی پانچ کتابیں تو محدثین کے درمیان متفق علیہا ہیں۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی اور ترمذی۔ لیکن چھٹی کتاب کے بارے میں کافی اختلاف ہے کہ وہ کون سی ہے۔ علامہ خطیب بغدادیؒ (المتوفی ۴۶۳ھ) حافظ ابوبکر بن العربیؒ (المتوفی ۵۴۳ھ) اور علماء اہل مغرب کی رائے یہ معلوم ہوتی ہے کہ چھٹی کتاب مؤطا امام مالک ہے۔ اور محدث رزینؒ بن معاویہ العبدریؒ (المتوفی ۵۲۵ھ) امام ابن اثیرؒ (المتوفی ۶۰۶ھ) اور حافظ ابوجعفر الغرناطیؒ (المتوفی ۷۰۸ھ) وغیرہ تو اس کی تصریح کرتے ہیں، کہ چھٹی کتاب مؤطا امام مالک ہے۔ یہ روایت کہ جو پتّوں پر آیتیں تھیں وہ مائی عائشہؓ کے سرہانے تھیں، وہ بکری کھا گئی تھی۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور مؤطا امام مالک میں سے کسی ایک کے اندر موجود نہیں ہے۔ صحاح ستہ پر یہ نرا بہتان اور افتراء ہے ملاحظہ کیا آپ نے کہ صحاح ستہ پر یہ کتنا بڑا اور صریح جھوٹ ہے۔ جس کا بیڑا ڈاکٹر

احمد دین صاحب اور ان کی جماعت نے عیسائیوں کی تقلید کرتے ہوئے اُٹھا رکھا ہے، معہذا وہ حدیث کے ثقہ اور ثبت متقی اور متورّع روات پر بہتان تراشی کرتے ہیں کہ یہ مذکورہ لوگ صحاح ستہ روایات کے طوفان تیار کرنے والے ہیں۔

یہ ہے منکرینِ حدیث کی دانش اور دیانت۔ فواسفا۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

امام ابُوالفضل بن طاہر المقدّسی ۵۰۷ھ، حافظ ابوالقاسم بن عساکر المتوفّی ۵۷۱ھ اور محدّث عبدالغنی المقدّسیؒ المتوفی ۶۰۰ھ کی رائے یہ ہے کہ صحاح ستہ کی چھٹی کتاب سنن ابن ماجہ ہے بکری کے پتّے کھانے کا واقعہ صرف ابن ماجہ میں ہے۔ رہی یہ بات کہ اس کی سند کیسی[1] ہے؟ اور محدّثین کے نزدیک اس کا اعتبار کیا ہے؟ قطع نظر اس سے کیا قرآن کریم کی وہ آیتیں جو پتّوں پر لکھی گئی تھیں کیا وہ اور کسی کے پاس لکھی ہوئی نہ تھیں؟ اور کیا ہزارہا صحابہ کرامؓ کے سینوں میں وہ محفوظ نہ تھیں؟ اگر بالفرض حضرت عائشہؓ کے پاس نہ تھیں؟ یا اور کسی کو یاد ہی نہ تھیں؟ ایک قول کے موافق ابنِ ماجہ کے صحاح ستہ میں سے ہونے اور پھر اس میں روایت مذکورہ کے پائے جانے سے یہ کیسے اور کیونکر لازم آیا کہ صحاح ستہ میں یہ روایت موجود ہے۔ کیونکہ صحاح ستہ سے پوری چھ کتابیں مراد ہوتی ہیں صرف ایک کا نام صحاح ستہ نہیں ہے۔ اور ابنِ ماجہ کے صحاح ستہ میں سے ہونے میں بھی شدید اختلاف ہے، یہ سب تاریخی اور اُصولی باتیں ملحوظ رکھ کر اعتراض کرنا مناسب تھا۔ مگر منکرینِ حدیث کی بلا سے۔ اُن کو تو اسلام کا یہ سارا نظام ہی درہم برہم کرنا منظور ہے وہ اسلام کی مقیدّ زندگی اور عقائد و اعمال، اخلاق و معاملات کی کڑی زنجیروں میں نفسِ امّارہ کو جکڑنا

---

[1] اس کی سند میں محمد بن اسحاق ہے جو کذّاب اور دجال ہونے کے علاوہ یہود اور نصاریٰ سے روایتیں لیا کرتا تھا

کب پسند کرتے یا کر سکتے ہیں؟ مگر یہ یاد رہے کہ ؎

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے ناری ہے

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صحاح ستہ کے مصنفین یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار کے ترقی کردہ گروہ کا نام ہے۔ جو صرف مخالف ہی نہیں بلکہ کفار اور منافق بھی تھے۔ اور جنہوں نے بائیبل کو (جو یہودیوں اور عیسائیوں کی مجموعہ کتب کا نام ہے) عربی زبان میں میٹھے میٹھے اور سریلے الفاظ میں ڈھال کر اور خود اپنی طرف سے افترا جوڑ جوڑ کر قال قال رسول اللہ کے الفاظ میں ادا کر دیا ہے جن کا مقصد دراصل اس کے بغیر اور کچھ نہ تھا کہ اسلام کا نام ہی صفحۂ ہستی سے مٹ جائے مگر یہ مسلمانوں کی انتہائی نادانی ہے کہ انہوں نے ان کو امام اور پیشوا سمجھا اور جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نام مبارک کی طرح ان کو بھی مانا اور تسلیم کیا۔

عام منکرین حدیث عوام کو مغالطہ میں مبتلا کرنے کے لیے اپنے بد ارادوں پر پردہ ڈالنے کے لیے یہ کہا کرتے ہیں کہ صحاح ستہ کی وہ روایات جو قرآنِ کریم کے مطابق ہیں، وہ صحیح ہیں یا وہ سوانح حیات اور تاریخ کا کام دیتی ہیں اور آپ کے اسوہ حسنہ کے بارے میں ہم اُن سے استفادہ کر سکتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر ڈاکٹر احمد دین صاحب نے بڑی بے باکی سے بلا خوفِ تردید کے یہ بات کہہ دی ہے اور وہ داد کے مستحق ہیں۔ کیونکہ واقعی انہوں نے صحیح اور دل کی بات کہہ دی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

"اور یہ مذکورہ صحاح ستہ کی باطل روایات نہ حدیث رسول ہیں نہ حکمت نہ تواتر نہ وحی خفی نہ تفسیر نہ سوانح حیات نہ اسوہ حسنہ یہ سب بناوٹی کہانی ہے۔" (بلفظہٖ پیغام توحید ص ۶۱۵)

دیکھا آپ نے کہ ڈاکٹر صاحب نے لگی لپٹی کہے بغیر کس طرح صاف کہہ دیا ہے

اس طائفہ کے دوسرے ارکان کو بھی کم از کم اخلاق کا اتنا ثبوت تو دینا چاہیئے کہ ہیرا پھیری کیے بدوں اندر کی کہہ ڈالیں تاکہ لوگ مغالطہ آفرینی کا شکار تو نہ ہوں۔ مگر ان سے اس صاف گوئی کی توقع کب؟ وہ تو صاف کہہ دیں گے کہ ؎

یہ سب سوچ کر دل لگایا ہے ناصح   نئی بات کیا آپ فرما رہے ہیں!

۴۔ گدھا۔ کتا۔ بلّی وغیرہ کا حکم

حضرت مقدامؓ ابن معدیکرب المتوفی ۸۷ھ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلّی علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ:۔

الا انی اوتیت القرآن ومثلہ معہ الا یوشک رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھذا القرآن فما وجدتم فیہ من حلال فاحلوہ وما وجدتم فیہ من حرام فحرّموہ وان ما حرم رسول اللہ کما حرّم اللہ الا لا یحل لکم الحمار الاھلی ولا کل ذی ناب من السباع الحدیث (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۹)

خبردار! مجھے قرآن کریم اور اس کی مانند (حدیث بھی) اس کے ساتھ ملی ہے۔ خبردار قریب ہے کہ کوئی سیر شکم آدمی اپنے پلنگ پر بیٹھ کر یہ دعوت تمہیں دے گا کہ بس تم قرآن ہی کو تسلیم کرو۔ جو اس میں حلال ہے اسی کو حلال سمجھو۔ حالانکہ تم خیال رکھنا کہ جس چیز کی حرمت رسول اللہ نے بیان کی وہ اسی طرح ہے، جس طرح خدا تعالےٰ نے حرام کی ہے، خبردار وہ (نامعقول اور) سیر شکم آدمی کہیں تمہارے لیے گھریلو گدھا اور کچلیوں سے شکار کرنے والے درندے نہ حلال کر دے (بایں طور کہ ان کا ذکر قرآن کریم میں نہیں ہے)

ہماری کروڑوں جانیں قربان جناب نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ذات

گرامی پر، جنہوں نے جو کچھ فرمایا اور جن لوگوں کے حق میں فرمایا وہ سو فیصدی پورا ہو کر رہا۔ اور بھلا پورا ابھی کیوں نہ ہوتا جب کہ فرمانے والے اپنی طرف سے کوئی پیش گوئی نہیں فرمایا کرتے تھے۔ تا وقتیکہ وحی کا نزول نہ ہو جاتا تھا۔

یہ صحیح حدیث شریف تو آپ نے ملاحظہ کر ہی لی۔ اب آپ اپنے ڈاکٹر احمد دین صاحب کی بھی سنیئے کہ وہ کیا لکھتے ہیں :۔

جب کتّا، بلی، گدھا، رینڈیر، کنگرو اور افریقہ، امریکہ، آسٹریلیا کے ہزار ہا جانذار کی حلّت و حرمت اگر قرآن میں نہیں تو پھر کس کے حکم سے حرام یا حلال کیا گیا؟ (بلفظہٖ پیغامِ توحید ص ۱۲)

ڈاکٹر صاحب! معاف رکھیے گا۔ ہماری کیا مجال ہے کہ ہم آپ کے لیے کُتّا اور بلّی، گدھا اور رینڈیر وغیرہ حرام قرار دیں، بڑے شوق سے تناول کیجیے۔ اور ہفتہ کے اندر گوشت پر پابندی کے جو دن ہیں یہ چیزیں تو اس سے بھی مستثنٰے ہیں۔ گدھے کا گوشت گائے اور بھینس کے گوشت کی مد میں سمجھ لیجیے۔ اور کتا، بکری کے گوشت کے ہم پلّہ ہو سکتا ہے اور بلّی کا گوشت مرغ سے کیا کم ہو سکتا ہے؟ نہ ناغہ اور نہ پابندی، کھائیے اور مزے سے کھائیے۔ چونکہ آپ خود ڈاکٹر بھی ہیں اس لیے فربہ اور لاغر کا پرکھنا بھی آپ کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔

یہ ہے پیغامِ توحید اور دعوتِ اتحاد بالقرآن کا ایک نادر نمونہ، جو ڈاکٹر

---

[۱] دیگر منکرینِ حدیث کی بھی سنیئے۔ چنانچہ دورِ حاضر میں فتنہ انکار حدیث کا آرگن طلوعِ اسلام لکھتا ہے کہ:" وحی جلی کہتی ہے کہ چار چیزیں (میتہ، دم، لحم خنزیر، ما اہل بہ لغیر اللہ) ہیں جنہیں خدا نے حرام قرار دیا ہے، لیکن وحی خفی حرام اور حلال کی طویل فہرستیں مرتّب کرکے دیتی ہے" طلوعِ اسلام ص ۴۲، ماہِ جنوری ۱۹۵۱ء)

احمد دین صاحب کی زبانی آپ نے پڑھا اور سُن لیا ہے۔ جس کی نشر و اشاعت کے لیے انہوں نے اپنی پوری زندگی وقف کر دی ہے اور حدیث تسلیم کرنے والوں کو وہ مشرک قرار دے کر ان پر مغفرت کے سب دروازے بند کر دینا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ؎

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرمِ ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

(۶)

علامّہ مشرقی صاحب

علامّہ مشرقی کے عقائد و نظریات، اعمال و اخلاق کی حقیقت بھی اکثر مسلمانوں پر بالکل منکشف ہے اور وہ اس بطل حُریّت اور اُن کی کارگزاریوں سے بخوبی واقف ہیں۔ وہ بھی عام منکرینِ حدیث کی طرح اپنی نارسا عقل اور ناقص فراست کے بل بوتے پر قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور حدیث کی پابندیوں کو اپنے دیگر رفقاء کار کی طرح گوارا نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے قرآن کریم میں جو جو تحریفات کی ہیں وہ صرف ان ہی کا حصّہ ہو سکتی ہیں۔

۱۔ حدیث اور مشرقی صاحب

علامّہ صاحب ایک مقام پر بزعمِ خود قرآن کریم کے فہم کو حدیث سے آزاد کراتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

"حدیث کے شیدائی اس کی کسی ایک آیت کو صحاح ستہ سے بے نیاز نہیں سمجھتے" (بلفظہ دیباچۂ تذکرہ ص۲۶)

نیز لکھا ہے کہ:۔

"حتیٰ کہ کسی یقینی اور غیر یقینی حدیث کی بھی ضرورت نہیں" (بلفظہ مقدمۂ تذکرہ ص۹۱)

اور ایک موقع پر علوم اور فنونِ اسلامی پر برستے ہوئے اپنے ماؤف اور بیمار دِل کی بھڑاس یوں نکالتے ہیں کہ:-

"کہیں حدثنا اور قال قال کا بے سُرا راگ ہے" (بلفظہٖ دیباچہ ص ۵۵)

اور حصّہ عربی میں ایک جگہ لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ۔

بفقهكم واحاديثكم وجهلكم واباطيلكم (بلفظہٖ ص ۱۲۵) — تم اپنی فقہ اور احادیث اور جہالت اور باطل روایات کے سبب قرآن کریم کی تعلیم میں شور و غل مچاتے ہو۔

جب احادیث اور فقہ کا وجود ہی اُن کے نزدیک قرآن کریم کی تعلیم میں رخنہ اندازی اور شور و غل مچانے کے مترادف ہے اور جب حدثنا اور قال قال کا راگ ہی بے سُرا ہے۔ حتیٰ کہ غیر یقینی حدیث کی طرح کسی یقینی حدیث کی بھی فہم قرآن اور اس کے اجمال کی تفسیر میں ضرورت نہیں تو کسی کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ وہ اس متاعِ کاسد پر اپنا قیمتی وقت صرف اور ضائع کرے؟ اور اس کو لائقِ اعتنا سمجھے؟ اور جو حضرات اپنی گراں قدر زندگیاں اس علم کے حصول اور پھر اس کی اشاعت و ترویج کے لیے وقف کرتے رہے اور اب بھی بفضلِ اللہ کر رہے ہیں تو علاّمہ صاحب نے عوام کی نگاہوں میں انہیں معیوب و معتوب قرار دینے کے لیے "مولوی کا غلط مذہب" کے نام سے متعدد رسالے لکھ کر ان کو رسوا کرنے کی ناکام سعی کی ہے۔ تاکہ جب تک مولوی کا وجود اور لوگوں میں اس کی قدر و منزلت باقی ہے تو براہِ راست حدیث اور فقہ اور اسی طرح دیگر اسلامی علوم و فنون پر کلوخ اندازی کوہ کندن اور کاہ برآوردن کا مصداق ہے۔ لہٰذا امانت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم) کے اس بے باک اور نڈر چوکیدار کو درمیان سے ہٹانے کی

سعی کیوں نہ کی جائے۔ تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ پھر اسلام پر اپنی مرضی کے مطابق جتنا اور جس طرح دل چاہے، گوشت اور پوست چڑھا دیا جائے۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کو کافر اور جہنمی اور کافروں کو جنّت کا وارث بنا کر حقِ نمک ادا کیا جائے۔

یہ ہے علامہ مشرقی وغیرہ کا خالص اسلامی نظریہ، جس کو نقل کرتے وقت دِل سیماب کی طرح لرزاں اور قلم شاخِ نازک کی مانند جنبش کرتا ہے۔ مگر کیا جائے آخر مسلمانوں کو اُن کے خیر اندیشوں، اور بہی خواہوں کا پتہ بھی تو بتانا ہے۔

۲۔ آج تک یہ ثابت نہیں ہو سکا کہ کونسا مذہب سچا ہے۔

حدیث کے انکار اور اس سے بدظن ہونے کے بعد جو ثمرہ اور نتیجہ نکل سکتا تھا، علامہ مشرقی کو بھی اس سے وافر حصّہ مِلا ہے۔ چنانچہ اُن کے بعض نظریات خود ان کی زبانی درج ذیل ہیں۔ بغور ملاحظہ کریں۔ ایک مقام پہ خدا تعالیٰ کی ہستی اور مذہب پر گفتگو کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ :۔

"تعجب ہے کہ مذہب کی طرف اس عام میلان کے باوجود ابتدائے آفرینش سے آج تک یہ قطعی فیصلہ نہ ہو سکا کہ کون سا مذہب سچا ہے؟ کونسا شارعِ کائنات تعالیٰ کے منشا کے عین مطابق ہے؟ مذہب کی سچائی کا معیار کیا ہے؟ نہیں بلکہ خود مذہب کیا شئے ہے؟ اور اس کا مقصود بالذات بعینہٖ کیا ہے؟ خود خدا کی ہستی اور اُس کے صحیح منشاء کے متعلق آج تک کوئی حتمی اور متفق علیہ دلیل نہیں مل سکی۔"

(بلفظہٖ دیباچہ صـ۲)

یہ لیجئے پیارے نبی کی پیاری باتوں کے طریق ادا کو بے سُرا راگ کہنے کا انجام کیا نکلا کہ ابتدائے آفرینش سے آج تک باوجودیکہ ہزاروں بلکہ لاکھوں انبیاء کرام علیہم السّلام تشریف لائے اور اُن پر آسمانی کتابیں اور صحیفے نازل ہوئے حتیٰ کہ امام الانبیاء

اور خاتم النبیینؐ صلّی اللہ علیہ وسلم بھی مکمل دستور العمل، کامل آئین اور محکم قانون لے کر آئے اور اس پر بھی صدیاں گزر چکی ہیں مگر مشرقی صاحب کے نزدیک ابھی تک نہ کوئی قطعی اور حتمی دلیل خدا تعالیٰ کی ہستی کے بارے میں قائم کی جا سکی ہے اور نہ مذہب اور اس کے معیار سے متعلق؟ یہی وجہ ہے کہ آج تک کسی پر یہ منکشف نہیں ہو سکا اور نہ اس کے بارے میں کوئی متفق علیہ دلیل ہی مل سکی ہے کہ خدا تعالیٰ کی ہستی کیا ہے؟ اس کا صحیح منشار کیا ہے؟ مذہب کیا ہے؟ اس کے صحیح ہونے کا معیار کیا ہے؟ نہیں بلکہ خود مذہب کیا شئے ہے؟

اس عبارت میں علامہ مشرقی صاحب نے اہل اسلام کے ٹھوس اور مستحکم نظریات کو کھوکھلا کرنے کی بے جا سعی کی ہے کہ ابتدائے آفرینش سے تا ہنوز مذہب، اس کے صحیح معیار اور اس کی سچائی کی کوئی حتمی دلیل مہیا نہیں کی جا سکی لہذا مسلمان کس منہ سے اپنے آپ کو سچا کہنے اور کہہ سکتے ہیں؟

۳۔ مومن درحقیقت اہلِ مغرب ہی ہیں

اگر سچے متقی اور صحیح معنوں میں مومن ہیں تو صرف اہلِ یورپ اور انگریز وغیرہ ہی ہیں۔ کیونکہ انہیں کے ہاتھ میں زمامِ حکومت اور اقتدار ہے۔ وہی صحیفۂ کائنات سے متمتع ہو رہے ہیں اور وہی بحر و بر اور فضا پر مستولی ہیں اور جو موحد ہیں وہ درحقیقت مشرک اور کافر ہیں اور ربّ تعالیٰ ہرگز ان کو نہیں بخشے گا۔ کیونکہ نہ تو اُن کے پاس سلطنت اور بادشاہت ہے اور نہ مال و زر بلکہ اُن کے پاس سفید فام اور حسین میمیں بھی تو نہیں ہیں پھر اُن کی مغفرت کیوں اور کیسے ہو سکتی ہے؟ چنانچہ علامہ مشرقی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

والمغربیّون ھم الّذین یؤمنون	اہلِ مغرب اور یورپ ہی قرآن کریم پر
بالقراٰن العظیم بعلمھم وعملھم	علم اور عمل کے لحاظ سے اِس وقت ایمان

فی زمانناھذا ولوکرہ المسلمون	رکھتے ہیں اگرچہ برائے نام مسلمان اس
المرتسمون الی ان قال فلاشك	فیصلہ کو پسند نہیں کرتے (آگے کہا) اس
فی انھم ھم المؤمنون۔	میں کوئی شک اور شبہ نہیں کہ اہل یورپ
(تذکرہ حصہ عربی ص۸۶)	ہی درحقیقت مومن ہیں۔

۴۔اہلِ توحید مشرک ہیں اور ان کی کبھی بخشش نہ ہوگی

علامہ صاحب کا صرف یہی فیصلہ اور فتویٰ نہیں کہ اہل یورپ مومن ہیں بلکہ وہ صاف لفظوں میں ارقام کرتے ہیں کہ:۔

الموحدون فی زمرۃ المشرکین و	جو موحد ہیں وہ درحقیقت مشرکین کے
المشرکون المتعارفون علی الارائك	زمرہ میں شامل ہیں اور جو متعارف مشرک
متکؤن والرسول شاھد علیھم	ہیں وہی آرام کرسیوں پر ٹیک لگائے
انھم ھم المؤمنون	بیٹھے ہوں گے اور جناب رسول (صلی اللہ
(تذکرہ حصہ عربی ص۳۰)	علیہ وسلم) ان کے مومن ہونے پر گواہ ہوں گے۔

غور کیجئے کہ جس گروہ کے مومن ہونے کی شہادت جناب رسول کریم صلی علیہ وسلم دیں کیا اس کے مومن ہونے میں کوئی کسر یا شبہ باقی رہ سکتا ہے؟ اور یہی لوگ "جنت النعیم" کے حقیقی وارث ہوں گے، رہے کلمہ پڑھنے والے اور موحد مسلمان، تو ان کے لیے فتویٰ یہ ہے جو علامہ مشرقی صاحب نے صادر کیا ہے کہ:۔

فواللہ ماربکم لکم بغفور رحیم	خدا تعالیٰ کی قسم! تمہیں اللہ تعالیٰ ہرگز نہ
ان ھو بغفور الا للمغربیین	بخشے گا اور نہ تم پر مہربانی کرے گا وہ تو صرف
النصرانیین المؤمنین الذین	مغرب کے رہنے والے عیسائیوں کو بخشے گا
یدا ومون فی زماننا علی جھادھم	اور ان پر رحم کرے گا جو درحقیقت مومن ہیں
بالسیف والا نفس لیکفوا ایدی	اور ہمارے زمانہ میں وہی تو آخر تلوار اور

الاعداء عنهم
(تذکرہ حصہ عربی ص۹۳)

جان کو دے کر جہاد کرتے اور اپنے دشمنوں کے
دست برد سے اپنی حفاظت کرتے ہیں۔
(لہٰذا وہی مومن اور مجاہد قرار پائے)

مفتیانِ دین جب فتویٰ صادر کرتے ہیں تو اپنی دانست کے مطابق قرآن وسنّت اور فقہ کے دلائل باحوالہ ذکر کرنے کے بعد واللہ اعلم بالصواب، لکھ دیا کرتے ہیں اور قطعی طور پہ اور خصوصاً قسم اُٹھا کر کسی فتویٰ کا صادر کرنا تو ان کے بس کا روگ ہی نہیں مگر یہ فتویٰ شروع ہی حلفیہ بیان سے ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے معتبر اور مستند ہونے میں کیا کمی اور خامی رہ سکتی ہے؟

مسلمانوں اور موحدوں کو اب تو یقیناً یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ اُن کی بزعم اور بفتوائے علامہ مشرقی ہرگز اللہ تعالےٰ مغفرت نہیں کرے گا (العیاذ باللہ) مغفرت اور بخشش تو صرف اہلِ مغرب اور خصوصیّت سے نصرانیوں، اور عیسائیوں کے یلیے الاٹ ہو چکی ہے۔ اِس میں ان کا کوئی شریک نہیں کیونکہ وہی تو آخر مومن اور مجاہد ہیں۔ کبھی تو انہوں نے عربوں کے خلاف تیر اور تلوار اور توپ و تفنگ لے کر جہاد کیا ہے۔ اور کبھی مصریوں اور ترکوں پہ گولہ باری کی ہے۔ کبھی افغانوں اور قبائیلیوں پہ بمباری کی بوچھاڑ کی ہے اور کبھی دہلی کے مسلمان بادشاہوں کے سامنے اُن کے فرزندوں کے سر کاٹ کر تھالیوں میں رکھ کر اُن کے سامنے پیش کئے ہیں کبھی علماء حق کو تختۂ دار پہ لٹکایا ہے اور کبھی اہل دل مسلمانوں کو کال کوٹھڑیوں میں مقیّد کیا ہے۔ اگر یہ عیسائی اور نصرانی مومن نہیں اور اگر ان کے یلیے مغفرت اور بخشش نہیں اور اگر یہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کے صحیح وفادار اور جنّت کے وارث نہیں تو بتلیئے کہ اِس دنیا میں اور کون ان اوصاف کا اہل اور مستحق ہو سکتا ہے؟ چونکہ اسی قسم کا عمل علاّمہ صاحب کے نزدیک عبادت ہے لہٰذا یہی قوم

خدا تعالیٰ کی عابد ہوگی اگرچہ زبان سے وہ دس ہزار خدا ہی کیوں نہ مانتی ہو چنانچہ لکھا ہے کہ :-

"اگر خدا معبود ہے تو وہ قوم موحد ہے اگرچہ رسماً پتھروں کو کیوں نہ پوج رہی ہو یا قولاً خدا کو تین یا دس یا سو یا دس ہزار کہہ رہی ہو۔ (بلفظہٖ دیباچہ ص۹۹)

۵۔ جملہ کلمہ گو جہنمی ہیں

سب کلمہ پڑھنے والے مختلف فرقے (جن میں یقیناً اہلِ حق بھی ہیں) تو ان سے متعلق علّامہ صاحب کا فیصلہ یہ ہے کہ :-

"شیعہ اور سُنّی، حنفی اور شافعی، مقلّد اور غیر مقلّد، صوفی اور وہابی وغیرہ وغیرہ میرے نزدیک کچھ شئے نہیں۔ یہ سب جہنّم کی تیاری ہے، خودکشی اور استہلاک ہے موت کے ساتھ لہو و لعب ہے۔ (بلفظہٖ دیباچہ ص۶۰)

ہے کوئی ایسا اسلامی فرقہ جو اصولاً سنی اور شیعہ یا مقلّد اور غیر مقلّد کے مفہوم سے خارج ہو۔ مگر چونکہ علّامہ صاحب ان میں سے کسی کو جنّت میں داخل نہیں ہوتے دیں گے اس لیے وغیرہ وغیرہ کا جملہ بڑھا کر ان سب کو اس لڑی میں پرو کر ان کو بھی جہنّم کا ٹکٹ دے دیا ہے اور صوفی اور وہابی وغیرہ کی شب خیزیاں اور اتباعِ سنّت کا جذبہ، تصوّف کی ضربیں اور مسئلہ آمین وغیرہ سب کچھ خودکشی اور موت کے مترادف قرار دیا ہے اور ایک مقام پر علّامہ صاحب موج میں آکر فخریہ طور پر یوں لکھتے ہیں کہ :-

"اس مختصر فاتحۂ کتاب کے اندر حتّی الامکان الٰہی سند بھی دے دی ہے ایک ناقابلِ رد حجّت کو قرآنِ عظیم سے لے کر تاویل کی فریب کاری اور عقائد کی بدمعاشی کو جڑ سے اکھیڑ دیا ہے۔" (بلفظہٖ دیباچہ ص۸۶)

یہ ہے انکارِ حدیث اور اس سے بدظنی کا نتیجہ کہ بلا استثناء تمام عقائد محض

بدمعاشی نظر آتے ہیں اور علاّمہ صاحب بزعمِ خود ان کو جڑ سے اُکھاڑ کر سزا وارِ صد تحسین قرار پاتے ہیں اور بات بھی ٹھیک کہتے ہیں۔ کیونکہ جب تک یہ عقائد رہیں گے اس وقت تک لوگ مشرقی صاحب اور اُن کے ساتھیوں کی باتوں پر کب یقین کر سکتے ہیں۔

۶۔ معجزات انبیاء کرام علیہم السّلام کے متعلق؛

حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے معجزات اور خوارق کے بارے میں مشرقی صاحب طنزیہ طور پر گوہر افشانی کرتے ہیں کہ:۔

"انبیاء کو عجیب وغریب کرامات کا عامل قرار دے کر اُن کو تماشہ گر اور حقّہ باز سمجھنا ہی اُس تذکیر و اعتبار، اس تفکر و تدبّر کے مترادف تھا جس کی تلقین کلام الٰہی نے کی تھی؟" (بلفظہٖ مقدمہ ص۸۵)

دیکھا آپ نے کہ علامہ مشرقی صاحب نے انبیاء کرام علیہم الصّلواۃ والسّلام کے پاک اور معصوم گروہ کو کس طائفہ اور ٹولہ سے تشبیہ دی ہے؟ اور ان کے معجزات اور خوارق کے ساتھ کیسا تمسخر کیا ہے؟

۷۔ متفرقات

اس کے علاوہ بھی علامہ صاحب نے بہت کچھ کہا ہے۔ مثلاً عربی کے ص۵۶ پر قسم اٹھا کر کہتے ہیں۔ اسلام کے ارکان وہ پانچ نہیں، جن کو تم ارکان کہتے ہو یعنی کلمہ طیّبہ، نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ۔ بلکہ وہ تو دس ہیں اور پھر آگے اپنی اختراع سے اُن کو بیان کیا ہے اور حوروں سے مُراد اُن کے نزدیک سفید فام میمیں اور لیڈیاں ہیں جو مسلمان رُؤساء کے نکاح میں آتی ہیں۔

(حاشیہ عربی ص۱۰۹)

اور لکھا ہے کہ "امام مہدی علیہ السلام کی آمد کی بشارت سنانے والی

تمام حدیثیں جعلی ہیں۔" (حصۂ عربی ص۵)

اور جنات سے مراد مولوی اور پیر ہیں جو حجروں میں چھپے رہتے ہیں۔" (حصۂ عربی ص۱۵)

"اور لکھا ہے کہ" اکثر فرشتے عیسائیوں اور اہلِ یورپ کو سجدہ کرتے ہیں" (حصۂ عربی ص۴۶)

نیز لکھا ہے کہ" حضرت عیسیٰ علیہ السّلام وفات پا چکے ہیں۔" (حاشیۂ دیباچہ ص۱۷)

اور تحریر کیا ہے کہ" منافقینِ عرب پر درود بھیجنے کا حکم رسولِ خدا کو دیا گیا تھا۔"

(حاشیۂ تذکرہ ص۱۳۳)

اُولٰئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ میں فلاح کا مطلب اُخروی نجات لینا بے معنی ہے۔" (حاشیۂ تذکرہ ص۱۳۵)

"نماز میں التحیات کے بعد درود شریف آپ نہ پڑھتے تھے۔" حاشیۂ تذکرہ ص۲۶۷)

"پُل صراط سے مُراد یہ نہیں کہ بال سے باریک اور تلوار سے تیز ایک پُل ہوگا جیسا کہ تم بچاس کہتے ہو بلکہ اس سے مُراد صرف عمل ہے۔" (حصہ عربی ص۱۲۹)

"جنّت سے مُراد زمین کی بادشاہت ہے۔" (حاشیۂ تذکرہ ص۱۱۶)

اِسی طرح ایمان و کفر، ظلم و فسق، اطاعت و اتباع، عبادت و صلاح اور تقویٰ و طہارت وغیرہ کی تمام اِسلامی اور شرعی اصطلاحات کو علامہ صاحب نے بدل ڈالا ہے (مثلاً دیکھئے ص۱۲۸ وغیرہ)

یہ اور اسی قسم کے اور بیسیوں خرافات سے علامہ مشرقی صاحب کا تذکرہ اٹا اور بھرا پڑا ہے۔ ہمارا مقصود تمام ایسی عبارات کا استیعاب نہیں ہے۔ ایک عقل مند کے لیے یہی عبارات کافی ہیں ؎

بس کنم مرزیرکاں را ایں بس است

قارئین کرام آپ نے ملاحظہ کیا کہ انکارِ حدیث کے بعد انسان گمراہی اور الحاد کی کس وادی میں سرمارتا پھرتا ہے؟ اور کیا اس کے لیے کوئی بندش باقی رہجاتی

ہے جس کو توڑنے کے لیے وہ برسرِ پیکار نہ ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن وحدیث کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ حدیث کی تکذیب قرآن کی تکذیب کو لازم ہے اور صحیح معنی میں قرآن کریم کو تسلیم کرنا حدیث کے تسلیم کرنے کو مستلزم ہے۔

عام منکرین حدیث دینی اور روحانی بصیرت کھو چکنے کے بعد یا تو اُن کا تعلق سمجھتے ہی نہیں یا اگر سمجھتے ہیں تو زبان اور قلم سے اس کا اقرار نہیں کرتے اور یہ اُن کی بے حد اخلاقی کمزوری ہے۔ مگر علامہ مشرقی صاحب زندہ دل اور نڈر انسان ہیں۔ وہ ان مصنوعی پردہ پوشیوں کے قائل نہیں ہیں۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں، برملا کہتے ہیں۔ اُن کی اس جرأت، دلیری، صاف گوئی اور عسکری تنظیم سے متاثر ہو کر تھوڑے سے عرصہ میں بہت سے سادہ لوح نوجوان اُن کی جماعت میں شامل ہو گئے تھے اور شریعت حقہ کے ظاہری پاسبانوں اور بقول اُن کے مُلّاؤں کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو گئے تھے مگر جس کو خدا رکھے اس کو کون چکھے۔ بقول شخصے ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

۸۔ پیٹ کی خاطر قرآن کی تکذیب کرتے رہے۔

آخر جو نتیجہ نکلا وہ مسلمانانِ پاکستان سے مخفی نہیں ہے۔ خود علامہ صاحب لکھتے ہیں کہ :-

اظلم لنفسی لیلاً ونهاراً واعبد	میں اپنے نفس کے لیے شب و روز ظلم کرتا
الانجلیز بکرة واصیلاً لرزقی	رہتا ہوں اور صبح و شام اپنی تنخواہ کے
ولا اعبد ربی لیرزقنی من لدنه	لیے انگریز کی پرستش کرتا ہوں اور میں
واکذب القرآن یوماً فیوماً ه	اپنے رب کی عبادت نہیں کرتا تاکہ وہ
ولا استطیع ان ادوم علی التوحید	مجھے اپنی طرف سے روزی عطا فرمائے

بل اضع لنفسی مکراً بعد مکرو	اور میں دن بدن قرآنِ کریم کی تکذیب کرتا
اسارع الی الشرک کرّۃ بعد مرّۃٍ	رہتا ہوں۔ اور میں توحید پہ مداومت کی طاقت
فلاتنظروا الّی بل انظروا الی	نہیں رکھتا بلکہ اپنے نفس کے لیے مکر پر مکر
مَا اقول الخ	کیے جاتا ہوں اور بڑی سرعت سے بار شرک
(حصّہ عربی ص۱۴)	میں مبتلا ہوجاتا ہوں سو تم مجھے نہ دیکھو بلکہ
	میں جو کچھ کہتا ہوں اُسے دیکھو!

علامہ صاحب نے کس طرح صاف گوئی سے کام لیا ہے اور پیٹ کی کہہ ڈالی ہے اور یہ بالکل ایک حقیقت ہے کہ حدیث سے انکار کرنے کے بعد انسان کا قدم کہیں نہیں ٹکتا۔ اور وہ شب و روز پیٹ کے لیے انگریز جیسی شاطر اور مکّار قوم کی عبادت اور پرستش بھی کرتا رہتا ہے اور اس کی ساری زندگی بھی مکّاری اور حیلہ جوئی میں بسر ہوجاتی ہے۔ اور وہ توحیدِ خالص پر بھی ثابت قدم نہیں رہ سکتا اور شرک و کفر، الحاد و زندقہ کے دلدل میں کچھ ایسا اُلجھ کر رہ جاتا ہے کہ اُس کے لیے وہاں سے نکلنا امرِ محال ہوجاتا ہے۔ ہم نے مشرقی صاحب کی شخصیت بھی دیکھی ہے اور ان کی باتیں بھی سُنی ہیں۔ جن کے سامنے اپنی باطل رائے اور نفسانی خواہشات کے اور کچھ بھی نہیں ہے۔ مگر صد افسوس ہے کہ وہ دوسروں کو مشرک اور جہنّمی قرار دیتے ہیں اور گھر کی خبر تک نہیں لیتے۔ آہ ؎

نہیں ہے دہریت کیا بندۂ حرص و ہوا ہونا
قیامت ہے مگر اوروں کو سمجھا دہریہ تُو نے
زباں سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل
بنایا ہے بُتِ پندار کو اپنا خدا تو نے

---

(۷)

چودھری غلام احمد صاحب پرویز

چودھری صاحب خود بھی اور اُن کی جماعت بھی اس کھلی ہوئی غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ دَورِ حاضر میں حافظ اسلم صاحب جیراجپوری کے بعد پرویز صاحب کی طرح قرآنی بصیرت اور اس میں غور و فکر کا ملکہ اور کسی کو حاصل نہیں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ قرآن کریم کی تحریف جس طرح پرویز صاحب نے کی ہے وہ صرف انہیں کا حِصّہ ہو سکتا ہے اور اس تحریف میں ان کو وہ حصّۂ وافر حاصل ہے اور ان کو ایسا لطف آتا ہے کہ وہ بے چارے پھولے نہیں سماتے۔

ارادہ ہے کہ انشاء اللہ العزیز اُن کی قرآنی غلطیوں اور تحریفات کو عوام کے سامنے رکھا جائے گا۔ تاکہ اُن کی قرآنی بصیرت عامۃُ المسلمین پر بھی آشکارا ہو جائے اور خود اُن کو بھی معلوم ہو جائے کہ انہوں نے اس مظلوم کتاب پر کس طرح اور کس قدر ظلم روا رکھا ہے۔ علیل ہونے کے علاوہ بہت ہی عدیم الفرصت بھی رہتا ہوں، ورنہ یہ ارادہ کبھی کا پورا ہو جاتا۔

اس جگہ ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حدیثِ رسول کو چھوڑنے کے بعد انسان کن عقائد اور نظریات کا حامل ہوتا ہے اور روحِ قرآن اور حقیقتِ شریعت سے محض اپنے نفسِ امارہ کی پیروی میں وہ کس طرح سرکشی کرتا ہے اور اس کی نارسا عقل قطعیات اور متواترات کا کس طرح انکار و اِباء کرتی ہے بلکہ اس کو فخر تصوّر کرتی ہے۔ ذیل میں پرویز صاحب کے چند زندیقانہ اور ملحدانہ نظریات ملاحظہ کریں:۔

۱۔ احادیث

احادیث سے متعلق وہ یوں اپنی رائے کا اظہار کرتے اور لکھتے ہیں کہ :۔

" احادیث کی جس قدر کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں (بخاری اور مسلم سمیت) ان میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں، جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہو کہ اس کے الفاظ وہی ہیں جو، جو رسول اللہ نے فرمائے تھے۔ اس بات پر بھی غور کیجئے کہ کوئی حدیث ایسی نہیں ہے جس کے الفاظ رسول اللہ کے ہوں۔ تمام احادیث روایات بالمعنیٰ ہیں۔" (بحوالہ طلوع اسلام ص۲۹، اکتوبر ۱۹۴۹ء مضمون شخصیت پرستی از پرویز)

اور مقامِ حدیث حصّہ اوّل ص۵۱ میں لکھتے ہیں کہ :۔

" احادیث کی جس قدر کتابیں ہمارے پاس موجود ہیں (بخاری اور مسلم سمیت) ان کے الفاظ رسول اللہ کے نہیں ہیں۔ یہ احادیث روایات بالمعنیٰ ہیں۔ (بلفظہٖ)

ملاحظہ کیجئے کہ پرویز صاحب کی یہ کس قدر دیدہ دلیری اور جسارت ہے کہ بخاری اور مسلم سمیت احادیث کے پورے ذخیرہ میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے دہن مبارک سے نکلی ہو اور جس سے متعلق یہ کہنا درست ہو کہ وہ آپ کے الفاظ ہیں، جن کو بحال حفاظت محدّثین کرامؒ نے اپنی کتابوں میں پوری ذمہ داری سے ضبط کیا ہے بلکہ یہ تمام روایات بالمعنیٰ اور رواۃ حدیث کی کارستانیاں ہیں۔ مگر چونکہ مسلمانوں پر از حد جمود طاری ہے اور وہ شخصیت پرستی کے دلدادہ ہیں اس لیے وہ ان کو صحیح اور معمول بہا سمجھے بیٹھے ہیں۔

قارئین کرام! آپ شوقِ حدیث میں ملاحظہ کریں گے کہ صحابہ کرامؓ کے ممتاز گروہ سے لے کر زمانۂ تدوین کتبِ حدیث تک کس محنت اور جانفشانی سے، کس کلفت اور آزار سے، کس ہمّت اور شوق سے، کیسی دیانت اور للّٰہیت سے اُمّتِ محمّدیہ (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ) نے اپنے پیارے نبی کی پیاری باتوں

اور آپ کے منہ مبارک اور عملِ صالح سے صادر شدہ حدیثوں کی حفاظت اور نگرانی کی ہے اور ایک کافی اور معتد بہ حصہ کو بقیدِ الفاظ یاد رکھا اور اسی طرح ادا کیا ہے۔ اگر کسی لفظ میں شک پڑا ہے تو اوکما قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کہہ کر اس امانتِ عظمیٰ کا حق ادا کیا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ بعض بعض احادیث روایت بالمعنیٰ کے طور پر بھی منقول ہیں مگر پرویز صاحب جس تلبیس و دجل کا ثبوت دے رہے ہیں کہ ان میں ایک حدیث بھی ایسی نہیں ہے جس کے متعلق یہ دعویٰ کیا جاتا ہو کہ اس کے الفاظ وہی ہیں جو رسول اللہ (صلعم) نے فرمائے تھے۔ تو یہ ایک صریح بہتان ایک قبیح مغالطہ اور ایک سفید جھوٹ ہے جس پر غالباً ان کا ضمیر بھی ان کو ملامت کرتا ہوگا۔ بشرطیکہ اُن کا ضمیر بھی کوئی ہو۔ کیونکہ اصل حیات اور احساس دِل ہی سے وابستہ ہے بقول شخصے؎

مجھے ڈر ہے دِل زندہ تو نہ مرجائے
کہ زندگی عبارت ہے تیرے جینے سے

۲۔ ظنّی چیز دین نہیں ہو سکتی۔

پرویز صاحب اس تاریخی ریسرچ اور تحقیق کے بعد قلمدانِ افتا بھی اپنے ہاتھ میں لے کر یوں رقمطراز ہیں کہ:۔

"چونکہ احادیث یقینی نہیں ظنّی ہیں اس لیے یہ دین نہیں قرار پا سکتیں اُن کی حیثیت تاریخ کی ہے اور تاریخ تنقید کی حد سے بالاتر نہیں ہوتی" (طلوع اسلام صہ ۳۴، اکتوبر ۱۹۴۹ء مضمون شخصیت پرستی)

نیز تحریر کرتے ہیں کہ:۔

"دین یقینی ہونا چاہیئے ظنّی شئے دین نہیں ہو سکتی" (مقامِ حدیث حصہ اوّل صہ ۶۷) اور دیگر مقام پر لکھا ہے کہ:۔

دین وہی ہو سکتا ہے جو یقینی ہو۔ ظنی اور قیاسی نہ ہو" (بلفظہٖ مقامِ حدیث حصہ اوّل ص۳۹) نیز لکھتے ہیں کہ:۔

"آپ غور فرمایئے کہ قرآنِ کریم سے پیشتر کی تمام کُتُبِ سماوی کو قرآن نے ظنی اور قیاسی قرار دے کر ناقابلِ اعتبار ٹھہرایا ہے۔ الخ

(مقامِ حدیث ص۵۶ حصہ اوّل)

تمام کُتُبِ سماوی کے بارے میں اس عمومی دعویٰ کا بارِ ثبوت تو پرویز صاحب پر ہے اور اس کی تفصیل کا یہ مقام بھی نہیں ہے مگر اتنی بات تو اس حوالے سے ہویدا اور آشکارا ہے کہ ظنی اور قیاسی چیز قابلِ اعتبار نہیں ہوا کرتی۔

جملہ اہلِ اسلام اس امر پر متفق ہیں کہ دلائل اور براہین کی مد میں قطعی اور یقینی درجہ اوّل پر صرف قرآن کریم کو حاصل ہے اور اس کے بعد حدیث متواتر اور پھر اجماع قطعی کو۔

پرویز صاحب اگرچہ حدیث اور اجماعِ اُمّت کے قائل نہیں ہیں مگر اس کا انکو اقرار ہے کہ یقینی چیز صرف قرآن کریم ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

اپنے تو اپنے غیروں تک کو اعتراف ہے کہ مسلمانوں کے پاس جو قرآن کریم موجود ہے وہ حرفاً حرفاً وہی ہے جو نبی اکرم (صلی اللہ علیہ وسلّم) نے انہیں دیا تھا اور چونکہ اس کی حفاظت کا ذمّہ خود اللہ تعالےٰ نے لے رکھا ہے، اِس لیے اُس کا یہ آخری پیغام قیامت تک اِسی طرح محفوظ رہے گا۔ یہ ہے یقینی چیز جس کے دین ہونے میں ظنّ وقیاس کے لیے کوئی گنجائش نہیں"

(بلفظہٖ مقامِ حدیث ص۴۲، حصہ اوّل)

۲۔ مرکزِ ملّت کا مقام کیا ہوگا؟

ان اقتباسات سے یہ بات آفتابِ نیمروز کی طرح آشکارا ہوگئی ہے کہ

پرویز صاحب کے نزدیک جو چیز ظنّی اور قیاسی ہو وہ دین نہیں ہو سکتی۔ اور ایسی ظنّی اور قیاسی چیز پہ اعتبار بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یقینی چیز تو صرف قرآن کریم ہے اور بس۔
اب سوال یہ پیدا ہوگا کہ جب ظنّ اور قیاس دین میں کام نہیں دے سکتا اور وہ لَا یُغْنِیْ مِنَ الْحَقِّ شَیْئًا کا مصداق ہے تو اُن کی جماعت ہی یہ بتلائے کہ جن جزئیات کی تعیین ان کا مرکزِ ملّت کرے گا کیا وہ یقینی ہوں گی یا ظنّی؟ اگر یقینی ہیں تو یہ بتلایا جائے کہ مرکزِ ملّت کی یہ خود ساختہ اور متعین کردہ جزئیات تو قرآن کریم میں نہیں ہیں۔ پھر یہ یقینی اور قطعی کیسے ہوگئیں؟ اور اگر یقینی اور قطعی ہیں تو احوال و ظروف اور رفتارِ زمانہ کے تغیّر و تبدّل سے ان میں ردّ و بدل کیونکر کیا جا سکتا ہے؟ کیا قطعی چیز میں بھی تغیّر ہو سکتا ہے؟ اور اگر یہ ظنّی ہیں تو یہ دین کس طرح بن گئی ہیں یا کس طرح بن سکتی ہیں؟ اور اگر مرکزِ ملّت کی متعیّن کردہ جزئیات دین بن سکتی یا کسی مجمل آیت کی تفسیر اور قانونِ کلّی کی تشریح ہو سکتی ہیں تو احادیث کیوں باوجود ظنّی ہونے کے دین نہیں ہو سکتیں؟ کوئی وجہِ فرق واضح اور بیّن ہونی چاہیئے اس بحث سے اس موقع پر کوئی غرض نہیں کہ جیسے مرکزِ ملّت کی جزئیات میں اوقات اور حالات کے لحاظ سے تغیّر و تبدّل ہو سکتا ہے اسی طرح احادیث کی جزئیات میں بھی ہو سکتا ہے۔ وہ بڑی خوشی سے ہو۔ بحث یہ نہیں ہے۔ صرف نگاہ اس پر جمایئے کہ یہ غیر یقینی چیز کسی بھی وقت اور کسی بھی حالت میں دین کیوں بن گئی ہے؟ مثلاً آپ کا مرکزِ ملّت کسی وقت یہ فیصلہ کرتا ہے کہ زکوٰۃ ہر مالدار سے دس فیصدی کے حساب سے وصول کرتا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ تعیین دین کے اعتبار سے قابلِ اعتنا ہوگی یا نہیں؟ اور اگر یہ ماننا مسلمانوں کا فرض ہوگا اور مرکزِ ملّت کا قانون اس کو تازیانہ اور قانون کے زور سے منوائے گا تو سوال یہ ہے کہ مرکزِ ملّت پہ قرآن کریم کی طرح کوئی وحی آئی ہوگی جس سے اسی مقدار کا تعیّن ہوگا

اور اگر یہ گورکھ دھندا قرآن کریم کے ماوراء اور اس کے ماسوا ہوگا تو وہ یقینی کیسے ہوگا؟ اور غیر یقینی چیز دین کیسے بن جائے گی؟ یا یہ چیز غیر دینی ہوگی اور اگر ایسا ہے تو پھر اس کا مطلب اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ اصول دین تو قطعی ہونے کے سبب یقینی ہیں مگر اُن کی جزئیات دینی نہیں ہیں اس لیے کہ وہ غیر یقینی ہیں اور ادلتی بدلتی رہتی ہیں۔

پرویز صاحب اور اُن کی جماعت کو اس پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا اور پھر دوٹوک جواب دینا ہوگا۔ اور اگر ان کے یہ نظریات ٹھیک ہیں کہ یقینی چیز صرف قرآن کریم ہے اور باقی سب کچھ ظنّی ہے اور دین صرف یقینی ہو سکتا ہے نہ کہ ظنّی۔ عام اس سے دین کے اصول اور عقائد ہوں یا فروع اور اعمال۔ تو اُن کو مرکز ملّت کی جزئیات کو دین قرار دینے کے لیے کوئی حتمی اور قطعی دلیل پیش کرنا ہوگی۔ رہا پرویز صاحب کا طلوعِ اسلام کے ایک شمارہ میں ایک سائل کے جواب میں یہ کہنا کہ آپ کو یہ کس نے کہا ہے کہ تمام احادیث کو ترک کر دیجیے" (محصلہ) تو اس سوال کا جواب یہ ہرگز نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ نماز کی رکعات کا ذکر جب قرآن کریم میں نہیں ہے، تو آپ ان کا تعیین کہاں سے کرتے ہیں۔ اگر حدیث اور تعامل سے کرتے ہیں تو ظنّی چیز دین کیسے بن گئی ہے؟ دین تو قطعی اور یقینی چیز ہی ہو سکتی ہے اور وہ صرف قرآن کریم ہے اور بس۔ اور اگر اس کا متعیّن کرنا مرکز ملّت کا کام ہے تو اگر ہمارے مشینی دور کا (جس دور میں منٹ اور سیکنڈ کے اندر حالات کچھ سے کچھ ہو جاتے ہیں) مرکز ملّت ان رکعات میں تغیّر و تبدّل کرے تو پھر کیا حکم ہوگا۔

بہت ممکن ہے کہ مسلمانوں کا یہ خیر خواہ اور ہمدرد مرکز ملّت جو اغلب ہے کہ جناب پرویز صاحب، تمنّا عمادی صاحب، نیاز صاحب، اور برق صاحب

وغیرہ جیسے، اصحاب پر مشتمل ہوگا۔ موجودہ دفتروں، کالجوں، کارخانوں اور مشینی دور
دَور کے تقاضوں کے ماتحت صبح کی نماز صرف ایک ہی رکعت مقرر کر دے۔ اور
ظہر و عصر وغیرہ کے اوقات میں ایسا کرنا تو ایک ناگزیر امر ہوگا۔
کوئی معقول وجہ نظر نہیں آتی کہ یہ مرکزِ ملّت مسلمانوں کے حق میں دل گدازی کا
ولولہ اور جذبہ اپنے دل میں نہ رکھتا ہو اور نماز وغیرہ دیگر ارکانِ اسلام کے اہم
جزئیات میں ردّ و بدل پسند اور گوارا نہ کرے۔

۴۔ مرکزِ ملّت مقنن بلکہ شارع ہوگا۔

مرکزِ ملّت مقنن بلکہ شارع ہوگا۔ جو قوانین وہ متعیّن کرے گا وہی شریعت
ہوگی۔ چنانچہ پرویز صاحب ہی فرماتے ہیں کہ :۔

"اگر آج ہم چاہتے ہیں کہ پاکستان میں قرآنی منشاء کے مطابق شریعت
کا نفاذ ہو تو اس کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ہم قرآنی اُصولوں کی روشنی
میں اپنے دَور کے تقاضوں کے مطابق اپنے قوانین خود متعیّن کریں یہی
قوانین شریعتِ اسلامی کہلائیں گے نہ کہ وہ قوانین جو اپنے زمانے کے
حالات کے مطابق کسی سابقہ اسلامی حکومت نے وضع کئے تھے"

(طلوعِ اسلام بابت ماہِ اکتوبر ۱۹۵۰ء ص ۲۷ مضمون زکوٰۃ از پرویز صاحب)

اور جزئیات کا یہ تغیّر اور تبدّل صرف پاکستان کے باشندوں کے ساتھ
ہی خاص نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ کے مسلمان اس زرّیں ضابطہ سے خاطر خواہ استفادہ
کر سکتے ہیں۔ چنانچہ پرویز صاحب ہی لکھتے ہیں کہ :۔

"ہر زمانے کے مسلمان اپنے اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق اسی
اصولی مقصد کے حصول کے لیے عملی جزئیات خود متعین کریں گے"

(طلوعِ اسلام، ص ۲۶ ماہ اکتوبر ۱۹۵۰ء)

اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ :۔

"اس کے اصول محکم اساس پر مبنی ہیں (جسے فطرت اللہ کہا جاتا ہے
اور) جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ لیکن ان اصولوں کی جزئیات
مختلف حالات کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ ادلتی بدلتی رہتی ہیں۔ ان
بدلنے والی جزئیات کو شریعت کہا جاتا ہے۔" (ایضاً)

نیز پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ :۔

"جن جزئیات کو خدا نے خود متعین نہیں کیا اُن کے متعلق خدا کا منشا یہی
تھا کہ وہ ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلتی رہیں۔ اور جن جزئیات
کو رسول اللہؐ نے متعین کیا ان کے متعلق حضورؐ کا بھی یہ منشا نہیں تھا
کہ وہ قیامت تک کے لیے ناقابل تغیر و تبدل رہیں۔"

(مقام حدیث جلد ۲ صد ۲۹۹)

اس سے معلوم ہوا کہ ہر زمانہ کے حالات کے تقاضوں کے ساتھ جزئیات ادلتی بدلتی رہیں گی۔ کون کہہ سکتا ہے کہ خلافتِ راشدہ اور اس کے بعد کے مختلف زمانوں اور متعدد ملکوں میں خود مسلمانوں ہی کے حالات کے تقاضے بدلتے نہیں رہے اور کوئی وجہ نہیں کہ انہوں نے اپنی جزئیات خود متعین اور مرتب نہ کی ہوں بالفاظِ دیگر ہر قرن اور ہر دور کے مسلمانوں کی شریعت الگ الگ اور جُدا جدا رہی ہو گی اور آج بھی اسلامی ممالک اپنے حالات کے تقاضوں سے مجبور ہو کر جُدا جدا شریعتیں وضع کرنے کے مجاز ہیں۔ اور لازمی امر ہے کہ جب بدلتے ہوئے تقاضوں کے تحت جزئیات بدلتی رہیں گی تو ہر دور کا مرکز ملت جدا ہو گا۔ اور چونکہ مراکز ملت مختلف ہوں گے اس لیے ان کے پیروؤں میں بھی اختلاف ہو گا۔ پھر معلوم نہیں کہ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا میں اللہ تعالیٰ نے اتحاد و اتفاق

کی تلقین کس کو کی ہے؟ اور تشتّت اور افتراق سے کس کو باز رہنے کا حکم دیا ہے؟ اور نہ معلوم طلوعِ اسلام ۲۱ مئی ۱۹۵۵ء کے سرورق پہ نصیحت کس کو کی گئی ہے قرآن کی رُو سے فرقہ بندی خدا کا عذاب ہے۔ ایمان کے بعد کفر ہے۔ توحید نہیں بلکہ شرک ہے۔ سوال یہ ہے کہ فرقے بنتے کس طرح ہیں؟ اس طرح کہ لوگ خدا کی دی ہوئی شریعت کے بجائے انسانوں کی بنائی ہوئی شریعت کی پیروی کرنے لگ جاتے ہیں۔ اور چونکہ مختلف انسانوں کی شریعتیں مختلف ہوتی ہیں اس لیے ان کے پیروؤں میں اختلاف ہوتا ہے۔" الخ

کیا متعیّن کردہ جزئیات کے تنوع سے پیدا شدہ یہ فرقہ بندی اور گروہ سازی قرآن کریم کے رُو سے جائز ہے؟ پرویز صاحب تو فرقہ پرستی کا ایک مستقل عنوان قائم کر کے یوں لکھتے ہیں کہ:۔

"پھر مسلمان صدیوں سے تحزّب و تشیع فرقہ بندی اور گروہ سازی کی جس مشرکانہ زندگی سے گذر رہا ہے کہ قرآن کریم دین میں تفرقہ اندازی کو صریح الفاظ میں شرک قرار دیتا ہے۔"

(بلفظہٖ مقام حدیث ص۳۲ حصہ اوّل)

کیا ہر زمانہ کے مختلف تقاضوں کے تحت مرکزِ ملّت کو جزئیات کی تعیین میں قانون سازی کی یہ مبارک تفویض اور یہ ادلتی بدلتی اور یہ بنتی اور بگڑتی مختلف شریعتیں اس تفرقہ اندازی کے نیچے داخل نہ ہوں گی؟ اور کیا یہ قرآن کریم کے صریح الفاظ میں شرک قرار نہ دی جائیں گی؟ یا یہ شیرینی صرف حدیث ماننے والوں کے لیے ہی آپ نے رکھ چھوڑی ہے؟ بات دل کی کہنا۔

یہ عجب منطق پرویز صاحب کے ہاتھ لگی ہے کہ دوسرے لوگ غیر منصوص احکام میں بھی اگر محدّثینؒ اور فقہاءؒ کی رائے کو تسلیم کر لیں تو وہ تحزّب و تشیع فرقہ بندی اور

گروہ سازی کی زد اور مذہب میں آجائیں اور شرک قرار پائیں مگر خود ان کا مرکز ملت منصوص احکام کو بھی بدل ڈالے تو مشرک نہ ہو معلوم نہیں بات کیا ہے؟

پرویز صاحب کا یہ انوکھا اور نرالا فلسفہ ہے کہ صحابہ کرامؓ سے لیکر تا ہنوز مسلمانوں کا اجماع اور تعامل تو حجت نہیں اور نہ اُن کی اطاعت جائز ہے مگر چودھویں صدی کے بے عمل مرکز ملت کی اطاعت لازم ہے۔ شائد محض اس لیے کہ وہ اُن کا مرکز ملت ہے؟

ایک اور بات بھی خصوصیت سے قابلِ توجہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ بعض مقامات پر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے بعض اوقات دنیاوی معاملات اور مذہبی امور میں فرق ملحوظ رکھا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم جب مدینہ طیّبہ تشریف لے گئے اور وہاں کے لوگوں کو ایک مخصوص طریقہ پر کھجور کے درختوں میں قلم لگاتے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ اگر تم ایسا نہ کرو تو بھی معاملہ ٹھیک رہے گا چنانچہ اس سال اس کاروائی کے ترک کی وجہ سے پھل کم حاصل ہوا۔ صحابہ کرامؓ نے اس کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا" میں ایک بشر اور انسان ہوں۔ جب تمہیں دین سے متعلق کچھ کہوں تو اس کو ضرور کر دیا کرو دنیا کے امور تو انتم اعلم بامر دنیاکم (مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۶۴) تم دنیا کے معاملات کو مجھ سے بہتر جانتے ہو (جیسا چاہو کرو)۔ لیکن پرویز صاحب بلا کسی تفصیل کے یہ لکھتے ہیں کہ :۔

"قرآن دنیاوی اُمور اور مذہبی امور میں کوئی فرق نہیں کرتا"

(طلوع اسلام، ماہِ اکتوبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۲۵ مضمون زکوٰۃ)

اور پھر آگے لکھا ہے کہ :۔

"لہذا ان میں تفریق ثنویت (یعنی مجوسیت جو خیر و شر یا یزدان و اہرمن وغیرہ باطل عقائد کے قائل تھے۔ صفدر) پر مبنی ہے جو قرآن کی رو سے شرک ہے" (ایضاً صفحہ ۲۶)

جب قرآن کریم دنیاوی اور مذہبی امور میں تفریق کو شرک اور ثنویت کہتا ہے تو پرویز صاحب ہی از روئے انصاف و دیانت (بشرطیکہ ان کے نزدیک یہ کوئی چیز ہو بھی) یہ فرمائیں کہ قرآن کریم مذہبی امور میں اس تفریق کو کیوں شرک نہیں کہتا کہ ہر زمانے کا مسلمان اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق شریعت اور جزئیات پر جزئیات اور فروع پر فروع بدلتا ہے؟ پاکستان کی شریعت کوئی اور ہو اور ایران کی کوئی اور، مصر کی الگ ہو اور انڈونیشیا کی الگ، افغانستان کی جدا ہو اور شام کی جدا، حجاز کی ان کے ماسوا ہو اور عراق کی اس ممتاز، بتایئے اس تفریق کو قرآن کیسے گوارا کرے گا؟ اور اس کی اجازت وہ کیسے دے گا؟ یقین جانیے کہ اگر وہ بزعم منکرین حدیث، حدیث کی مختلف جزئیات اور فروعی اختلافات کو گوارا نہیں کرتا تو اس عظیم فرقہ بندی اور گروہ سازی کو بھی وہ ایک لمحہ بھر گوارا نہیں کرے گا۔

ملاحظہ کیا آپ نے کہ پرویز صاحب نے یہ گمراہ کن اور اسلام کش نظریہ کس طرح اسلام کی جڑوں کو کھوکھلا کرنے کے لیے اختیار کر رکھا ہے کہ شریعت بنانا اور قرآن کریم کے محکم اصولوں کی جزئیات متعین کرنا خود ہمارا، مرکز ملت اور ہر دور کے مسلمانوں کا کام ہے، اور یہ جزئیات مختلف حالات کے تقاضوں کے ساتھ ادلتی بدلتی رہتی ہیں اور ان بدلنے والی جزئیات کو شریعت کہا جا رہا ہے۔ جب یہ شریعت قرار پائیں تو ان کو متعین کرنے والا مرکز ملت ضرور شارع ہو گا۔ بالفاظ دیگر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی اور بتائی ہوئی شریعت جو حدیث کی شکل میں ہے، وہ تو تمام ظنی اور غیر معتبر ہے۔ ہاں اگر معتبر ہے تو صرف مرکز ملت اور مسلمانوں کا مختلف اوقات میں اپنے لیے وضع کردہ فیصلہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ یہ ہے وہ قرآنی بصیرت اور فہم قرآن جو سالہا سال کے طویل اور عمیق

تجربہ کے بعد جناب پرویز صاحب کو مفت میں حاصل ہوئی ہے، جس میں بقول خود ان کے استاد محترم علامہ اسلم صاحب جیراجپوری کی کرامت اور برکت بھی شامل ہے۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ۔ ع

وزیرے چنیں شہر یارے چنیں

۵۔ پرویز صاحب کی مُلّا سے مخالفت کیوں ہے؟

عُلما، تو کیا ایک ادنیٰ مسلمان بھی یہ جانتا ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی زندگی ایک جامع زندگی تھی جس میں عقائد و اعمال، اخلاق و معاملات اور دین و دنیا کی تمام بھلائیاں موجود تھیں اور اسی جامع اور مکمل زندگی کو قرآن کریم میں اُسوۂ حسنہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور آپ کے پیروکاروں پہ اس کی اطاعت لازم قرار دی گئی ہے کہ فرائض واجبات میں یہ اطاعت لازم اور فرض ہوگی۔ اور سنت موکدہ میں پیروی کرنے والے کو مزید روحانی ترقی اور قیامت کے دن آپ کی زیادہ رفاقت نصیب ہوگی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے اُٹھنے اور بیٹھنے، کھانے اور پینے، سونے اور جاگنے چلنے اور پھرنے وغیرہ وغیرہ امور میں پوری اور مکمل ہدایت اپنی اُمّت کے سامنے پیش کی ہے۔ مثلاً یہ کہ کھانا دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور دائیں ہاتھ سے پانی پیو۔ سوتے وقت اپنے اس پہلو پر سوؤ اور یہ دعا پڑھو جب اٹھو تو تمہاری زبان پہ یہ دعا جاری ہو۔ مسجد میں داخل ہو تو دایاں پاؤں پہلے رکھو۔ باہر نکلو تو بایاں پاؤں پہلے رکھو وغیرہ وغیرہ اور محدثین کرامؒ اور فقہاء عظامؒ آپ کی ایک ایک سنّت اور ایک ایک حرکت وادا پر جان فدا کرتے رہے اور اس میں اتّباع کرنے کی انتہائی کوشش کرتے رہے اور بحمد اللہ تعالیٰ اس پُر فتن اور مادر پدر آزاد دور میں اب بھی اطاعت کرتے ہیں مگر یہی وہ پابندی ہے جس سے پرویز صاحب اور ان کی جماعت نالاں ہے اور وہ اس سے کوسوں دور بھاگ

رہے ہیں اور وہ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ کے پیش نظر
قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کی آواز اور گرج سے کچھ ایسے بھاگتے
ہیں جیسے ارشادِ خداوندی ہے ۔ كأنهم حمر مستنفرة فرت من قسورة ۔
چنانچہ پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ :-

"مذہب کی دنیا میں تیسری چٹان یا زنجیر (زنجیر کیا پورے کا پورا جیل خانہ
پرویز) پیشوائیت کی لعنت ہے (وہی جسے انگریزی میں RRISTOOD ہندوؤں
کے ہاں برہمنت اور ہمارے ہاں مُلّائیت کہا جاتا ہے) یہ وہ زنجیریں ہیں جو انسان
کو ایک قدم بھی اپنی مرضی سے اٹھانے نہیں دیتیں۔ یوں بیٹھو، یوں اُٹھو، یوں
سوؤ، یوں جاگو، یوں چلو، یوں پھرو، یوں کھاؤ، یوں پیو۔ دایاں پاؤں اِدھر
بایاں اُدھر، سیدھا یوں اٹھاؤ، الٹا یوں، پوری کی پوری زندگی ایک مستبد ڈکٹیٹر
کی (REGIMENTION) بنادی جاتی ہے ۔ سوچو سلیم! کہ انسانیت پر یہ بوجھ کس
قدر گراں اور یہ زنجیریں کیسی استخواں شکن تھیں۔ رسالت محمدیہ نے ان تمام
زنجیروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے رکھ دیا۔ (قرآن کریم کی کس آیت سے یہ ثابت
ہے کہ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے یہ مذکورہ متعین زنجیریں کاٹ کر
رکھ دی ہیں۔ صفدر) اور کہہ دیا کہ خدا اور بندے کے درمیان کوئی قوت حائل
نہیں ہوسکتی۔ ۔ قانون کی اطاعت میں پیشوائیت کا کیا
کام؟ (بلفظہٖ طلوع اسلام ص ۸ ۲۹ر اکتوبر ۱۹۵۵ء سلیم کے نام)

ملاحظہ کیا آپ نے کہ حدیث اور عالم اسباب میں حدیث کی محافظ
جماعت علماء اور ان کی ملائیت سے پرویز صاحب کو کیوں کد ہے؟ اور وہ
اس کو کیوں پیشوائیت کی لعنت سے تعبیر کرتے ہیں؟ اور اس کی زنجیروں کو کاٹنے
کے کیوں درپے ہیں؟ اور وہ الدُّنیا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ کے اسلامی قید خانہ کی دیواریں پھاند

کہ کس طرح بھاگ نکلنے کے متمنّی ہیں؟ اور اس جیل خانہ سے راہِ فرار اختیار کرنے کے لیے انھوں نے کیسا چور دروازہ اختیار کیا ہے اور اس جیل خانہ کے محافظ دستوں کو رسول پرستی، رواۃ پرستی، مُردہ پرستی اور ماضی پرستی وغیرہ کے عنوان قائم کر کے الحاد کی تلوار اور نفس پرستی کی بندوق سے مجروح کرنے کی ناکام سعی کی ہے۔ محض اس لیے کہ ان کی مضبوط سنبھالی ہوئی زنجیریں پرویز صاحب جیسے انسان کو اپنی مرضی سے ایک قدم اٹھانے نہیں دیتیں۔ آخر اس گراں بوجھ اور استخوان شکن زنجیروں سے آزادی حاصل کرنے کے لیے تو پرویز صاحب نے کچھ سوچنا ہے اور پھر اس پر عمل پیرا بھی ہونا ہے۔ اور وہ آسان اور سہل لفظوں میں اس کے بغیر اور کیا طریقہ ہو سکتا ہے کہ سرے سے حدیث اور ناقلین وجامعین حدیث پر اعتماد ہی نہ کیا جائے تاکہ نہ ہینگ لگے نہ پھٹکڑی۔ اور پرویز صاحب نے یہ بھی بتلایا کہ جو امور انہوں نے ذکر کئے ہیں وہ خدا تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان حائل کس طرح ہوتے ہیں؟ کیا جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے اُسوۂ حسنہ پر عمل کرنا کوئی ایسی قوت اور طاقت ہے جو خدا اور بندے میں حائل ہو جاتی ہے؟ ہاں اگر کوئی شخص پرویز صاحب کی طرح اپنی مرضی سے کسی کو آپ کے اسوۂ حسنہ سے مستغنی کر کے خود ساختہ زنجیروں میں جکڑنا چاہے تو اس کی بات جدا ہے۔ لیکن پرویز صاحب کو اس کی وضاحت کرنی چاہیئے تھی۔ مطلقاً پیشوائیت اور مُلّائیت کو لعنت قرار دینا انتہائی دیدہ دلیری اور سلفِ صالحین کی کھلی تحقیر و توہین ہے اور وہ بھی لعنت کے لفظ سے۔ یہ صرف پرویز صاحب ہی کو زیبا ہے۔ مشہور ہے کہ "یہ منہ اور مسُور کی دال" لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

پھر آخر میں پرویز صاحب نے قانون کی اطاعت میں پیشوائیت کا کیا کام؟ کا پیوند اور پیچر لگا کر جس اخلاقی پستی کا ثبوت دیا ہے وہ بھی ایک خالص اعجوبہ ہے۔

پرویز صاحب ہی بتائیں کہ کیا قانون کی دفعات اور نکات کو کوئی شخص ماں کے پیٹ سے سیکھ کر آیا کرتا ہے؟ یا اس کو کسی معتمد قانون دان کے سامنے زانوئے تلمّذ طے کرنے پڑتے ہیں؟ یا ہر کہ ومہ اور خاص وعام کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ قانونی دفعات کی تشریح کر سکے؟ اور اس کی باریکیوں کو حل کر سکے؟ اور اس کی مشکل جزئیات کی گتھی سلجھا سکے؟ اگر ہر کس وناکس کو یہ حق حاصل نہیں اور قطعاً نہیں۔ تو یقین جانیئے کہ قانون کی اطاعت اسے سمجھے بغیر ہرگز نہیں ہو سکتی اور شرعی و اسلامی قانون کو سمجھنے اور سمجھانے والی ملّائیت سے بھی ہرگز استغنا نہیں ہو سکتا۔ جنھوں نے اپنی عزیز جانیں اس کو حاصل کرنے اور پڑھنے پڑھانے میں گذار دی ہیں۔ باقی علماء سُوء اور بندگانِ حرص وہوٰی اور پیرانِ بدکردار کو درمیان میں لاکر خلط مبحث کرنا بے سود امر ہوگا۔ ہم ان کو پرویز صاحب سے بھی زیادہ بہتر جانتے ہیں۔ بات صحیح قانونِ خداوندی کے سمجھنے اور سمجھانے والوں کی ہو رہی ہے اور وہ صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو محدّثین کرامؒ فقہاء عظامؒ وغیرہ کے گروہ میں شامل ہو کر مسلمانوں کے پیشوا اور مقتدار کہلانے کے مستحق ہیں۔ جن کو پرویز صاحب نے مُلّائیت اور پیشوائیت کی لعنت سے تعبیر کر کے اپنے دِل ما[illegible] کی بھڑاس نکالی ہے اور ایک ہی جملہ میں سلف کی زندگی کو خاک میں ملانے [illegible]ے چاہی ہے مگر اُن کو اس سے کیا غرض کہ انہوں نے اسلام کے لیے کیا کچھ کیا ہے؟ افسوس کہ ؎

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
پیدا کیئے فلک نے تھے جو خاک چھان کے

۶۔ زکوٰۃ

ارکان اسلام میں سے ایک رکن زکوٰۃ بھی ہے جو اللہ تعالےٰ نے امیروں

اور مالداروں پر غریبوں اور یتیموں، بیواؤں اور ناداروں کے لیے عائد اور فرض کی ہے ۔ قرآن کریم میں متعدد مقامات پر اجمالاً اور قدرے تفصیلاً اس کی بحث کی گئی ہے مگر اس کا نصاب قرآنِ کریم میں بیان نہیں کیا گیا۔ بعینہٖ اس طرح جس طرح نماز کی رکعات وغیرہا اس میں بیان نہیں کی گئیں مگر تمام احادیث اور سو فیصدی مسلمان اس پر متفق چلے آرہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حکمِ خداوندی کے مطابق سونے، چاندی، نقد اور سامانِ تجارت میں چالیسواں حصّہ مقرر کیا ہے۔ مثلاً ادنیٰ نصاب سونے کا ساڑھے سات تولے اور چاندی کا ساڑھے باون تولے ہے۔ زمین اگر چاہی ہے تو اس کا بیسواں حصّہ اور اگر بارانی ہے تو دسواں حصہ اسی طرح جانوروں کی زکوٰۃ کا نصاب اور حولان حول وغیرہ اہم قیود و شرائط کا ذکر کم و بیش تمام کتبِ حدیث اور فقہ میں مذکور و مسطور ہے۔ اور آج تک کسی کو اس کے بارے میں کوئی تردد کبھی لاحق نہیں ہوا۔ مگر پرویز صاحب اور اُن کی غمخوار جماعت جو مسلمانوں کو حدیث، ملّائیت اور پیشوائیت کی لعنت سے رہائی دینے کے لیے معرضِ وجود اور منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئی ہے۔ وہ زکوٰۃ میں نصاب کے بوجھ گراں اور استخواں شکن زنجیروں کو بھی برداشت کرنے پر آمادہ نہیں ہے۔ چنانچہ پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"یا مثلاً قرآن کریم نے حج کے ارکان کی جزئیات تک کا ذکر کر دیا ہے (کیا اس کا ذکر بھی قرآن کریم میں ہے کہ طواف کے مرتبہ ہو؟ ایک مرتبہ یا دو مرتبہ؟ تین دفعہ یا سات دفعہ؟ پھر کیا اس کا بھی ذکر ہے کہ طواف شروع کہاں سے کرو اور ختم کہاں کرو؟ مگر یہ نہ پوچھو بہت ممکن ہے کہ حبشی اور سوڈانی وغیرہ سیاہ فام لوگ حجر اسود سے شروع کر دیں اور شامی وغیرہ رکن شامی سے اور بابی (بشرطیکہ وہ حج وغیرہ کے قائل ہوں) باب اور دروازہ سے، کیونکہ یہ سب

کچھ ان کے حالات کے تقاضا سے ہوگا۔ صفدر) لیکن زکوٰۃ کا تعیّن
کچھ نہیں۔ اس لیے کہ ہر دور کی اسلامی حکومت خود متعین کرے گی کہ
اسے کس قدر روپے کی ضرورت ہے اور اسی حساب سے وہ قوم سے ٹیکس
وصول کرے گی۔ وقس علیٰ ہٰذا (بلفظہٖ معارف القرآن جلد ۴ ص ۴۶۹)

غور کیجیے کہ پرویز صاحب نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی صحیح اور صریح احادیث اور اُمت کے اجماع و اتفاق کے مقابل میں کس جرأت سے متوازی شریعت اور دین کھڑا کر دیا ہے کہ زکوٰۃ کا کوئی تعیّن ہی نہیں ہے۔ اور ہر دَور کی اسلامی حکومت یہ خود متعیّن کرے گی کہ اُسے کس قدر روپے کی ضرورت ہے ظاہر بات ہے کہ جب زکوٰۃ کا نصاب متعین کرنا اسلامی حکومت یا بالفاظِ دیگر مرکز ملّت کا کام ہے تو اس کی شرح مختلف اسلامی ملکوں میں یقیناً مختلف ہوگی اور ایک ہی اسلامی ملک میں حالات کے بدلنے سے بھی یقیناً یہ نصاب گھٹتا، بڑھتا اور پھیلتا، سکڑتا رہے گا اور یہ نصاب ربڑ سے کسی طرح متفاوت نہ ہوگا۔ جتنا پھیلایئے خوب پھیل جائے گا اور جتنا گھٹایئے، گھٹ جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر کوئی زندہ دِل اس کو پتلون کی جیب میں سمیٹ کر رکھنا چاہے گا تو اس کے لیے یہ عین ممکن ہوگا اور اگر کسی وقت اسلامی حکومت یا مرکز ملّت موج میں آجائے تو ہر ایک کی ضرورت سے زائد بھی کچھ وصول کر لیا جا سکتا ہے مگر پرویز صاحب نے یہ عقدہ حل نہیں کیا کہ آیا حکومت اسلامی زکوٰۃ کی یہ رقم اپنے مصارف مثلاً فوجی، تعلیمی، تجارتی اور سرکاری ملازمین کی تنخواہوں، ہسپتالوں اور دیگر رفاہِ عام (ملکی اور غیر ملکی ضرورتوں) کے لیے وصول کرے گی یا فقراء اور مساکین وغیرہم قرآنی مصارف کے لیے ظاہر امر ہے کہ اس دَور کی حکومتوں کے سامنے متعدد ملکی اور غیر ملکی اسکیمیں ہوتی ہیں۔ جن کے بغیر دورِ حاضر کی کوئی حکومت ایک دن بھی

حکومت نہیں چلا سکتی۔ اتنی وسیع اور بے شمار اسکیموں کے ہوتے ہوئے فقرا اور مساکین وغیرہم کے لیے کیا کچھ بچ سکتا ہے؟ جب کہ بڑھتی ہوئی آبادی اور ضروریات زندگی کی گرانی کے پیش نظر یہ مسئلہ اور بھی اہم ہو جاتا ہے اور غربت وافلاس ناداری ومفلوک الحالی روز افزوں ترقی پر ہے غالباً اسی مشکل کے پیش نظر پرویز صاحب وغیرہ نے زکوٰۃ کے مسلمانوں میں تاہنوز رائج شدہ نصاب کے متعین ہونے کا انکار کیا ہے۔ مگر اس پریشانی کا مداوا یہ ہرگز نہیں ہے۔ کیا اس کا علاج اس صحیح صورت سے ممکن نہیں جو اسلام میں رائج چلی آتی ہے کہ سونے اور چاندی وغیرہ کی زکوٰۃ از خود لوگ اپنے فقیر اور محتاج رشتہ داروں اور دیگر مستحق زکوٰۃ افراد کو ادا کریں اور حکومت زمین کی پیداوار اور جانوروں کی زکوٰۃ خود وصول کرے۔ اور مال فئ اور غنیمت کے علاوہ سرکاری اشیاء مثلاً جنگلات، مختلف قسم کی کانیں، سرکاری اراضی کی پیداوار، کارخانوں اور ریلوں کی آمدنی وغیرہ سے حکومت اپنی اسکیمیں پوری کرے اور اگر ضرورت اس سے پوری نہ ہوتی ہو تو زکوٰۃ کو وصول کرتے ہوئے بھی اس کا متعین شدہ نصاب جوں کا توں رہنے دے۔ اور مالدار، تجارت پیشہ حضرات اور دیگر اہل صنعت و حرفت وغیرہ سے حسب ضرورت ٹیکس وصول کرے۔ لیکن شریعت حقہ کی متعین کردہ حدود اور شرائط کو اور زکوٰۃ کے نصاب کو اپنے دست برد سے محفوظ رکھے۔ اس کا کام بھی چلتا رہے اور متعین شدہ نصاب میں بھی کمی وبیشی نہ ہو۔ کیا اسلامی حکومت کا کام صرف نصاب زکوٰۃ کو بگاڑنے ہی سے ہو سکتا ہے، اور بس؟ کیا اس کو برقرار رکھ کر اور حسب ضرورت ہنگامی ٹیکس عائد کر کے ایسا کرنا ممکن نہیں ہے؟

اسلامی حکومت کی اس مالی پریشانی پہ علماء اسلام نے اپنے دور کے مختلف تقاضوں کے مطابق متعدد کتابیں لکھی ہیں۔ کتاب الخراج۔ کتاب الاموال

اور محلی ابن حزم وغیرہ وغیرہ میں یہ مسئلہ قابلِ دید ہے اور اس زمانہ میں اسلام کا اقتصادی نظام بھی کافی معلومات افزاء اور بہترین کتاب ہے، مگر ان حضرات میں سے کبھی کسی کو یہ بات نہ سوجھی کہ چلو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا مقرر کردہ اور خلفاء راشدین کا معمول بہ عمل ہی بدل ڈالا جائے۔ یہ انوکھی اور نرالی منطق ہر دور میں صرف منکرینِ حدیث ہی کو سوجھی ہے اور بس!

ایک اور بات بھی قابلِ غور ہے کہ اگر کسی وقت بدقسمتی سے اسلامی حکومت نہ ہو تو پھر زکوٰۃ کے بارے میں کیا حکم اور فیصلہ صادر ہوگا؟ اور یہ بات کتبِ تاریخ کے اوراق پر چمک رہی ہے کہ خلافت راشدہ کے بعد صحیح معنیٰ میں اسلامی حکومت کہاں رہی؟ اور کتنی دیر رہی اور کن حالات میں رہی؟

بقول پرویز صاحب "خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوگئی اور پھر سرے سے یہ شیرازہ ہی منتشر ہوگیا" (بلفظہٖ مقامِ حدیث، حصہ اوّل ص ۶۴)

یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ جب اسلامی حکومت ہی نہ ہو تو پھر زکوٰۃ بھی باقی نہ رہے گی اور جب شرعی طور پر زکوٰۃ باقی نہ رہی تو اسلامی حکومت نہ ہونے کی وجہ سے ادا کی ہوئی زکوٰۃ ادا بھی تو نہ ہوگی۔ لہٰذا خلافت راشدہ اور اس سے ملتی جلتی اسلامی حکومت کے بعد مسلمان یقیناً ایک رائیگاں عمل کرتے رہے کہ خواہ مخواہ زکوٰۃ کے بوجھ گراں اور استخوان شکن زنجیروں کے تلے کراہتے رہے کہ نہ تو ان کی زکوٰۃ ادا ہوئی اور نہ وہ مال سے منتفع ہوسکے بقول شخصے کہ ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم
نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

چنانچہ پرویز صاحب کی بصیرت قرآنی کا ناشر طلوعِ اسلام لکھتا ہے کہ:۔

"اِس لیے زکوٰۃ اس ٹیکس کے علاوہ اور کچھ نہیں جو اسلامی حکومت مسلمانوں پر عائد کرے۔ اِس ٹیکس کی کوئی شرح متعیّن نہیں کی گئی۔ اِس لیے کہ شرح ٹیکس"

انحصار ضروریات مِلّی پر ہے۔ حتیٰ کہ ہنگامی صورتوں میں حکومت وہ سب کچھ وصول کر سکتی ہے جو کسی کی ضرورت سے زائد ہو (یَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ قُلِ الْعَفْوَ) لہٰذا جب کسی جگہ اسلامی حکومت نہ ہو تو پھر زکوٰۃ بھی باقی نہیں رہتی "۔

(بلفظہٖ طلوع اسلام ماہ جنوری ۴۹ئہ ص ۸۲)

لیجئے اب تو کھلی چھٹی ہے۔ اسلامی حکومت نہ ہو تو پھر زکوٰۃ بھی باقی نہیں رہتی اور ظاہر ہے کہ اس وقت تو کیا، خلافتِ راشدہ کے بعد ہی سے اسلامی حکومت کا شیرازہ صدیوں سے بکھر چکا ہے۔ لہٰذا اس وقت نہ کوئی صحیح اسلامی حکومت ہے اور نہ زکوٰۃ ہے۔

نیز پرویز صاحب یہ بھی لکھتے ہیں کہ :-

" میں اسے سمجھنے سے قاصر ہوں کہ اگر خدا کا منشاء یہ ہوتا کہ زکوٰۃ کی شرح قیامت تک کے لیے اڑھائی فیصدی ہونی چاہیئے تو وہ اسے قرآن میں خود نہ بیان کر دیتا۔ اس سے ہم اس ایک ہی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ منشائے خداوندی تھا ہی نہیں، کہ زکوٰۃ کی شرح ہر زمانے میں ایک ہی رہے " (مقام حدیث، ص ۲۹۳ جلد دوم وطلوع اسلام ص ۳۷ ، اکتوبر ۱۹۵۰ئہ)

ہم بھی اسی پرویزی منطق کے پیش نظر مثلاً یہ کہہ سکتے ہیں کہ دیگر بے شمار احکام کا تو قصہ ہی چھوڑیئے صرف نماز کے متعلق (اور وہ بھی سُنّتوں سے صرف نظر کرتے ہوئے محض فرائض کے بارے میں) ہم اسے سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اگر خدا کا منشاء یہ ہوتا کہ صبح اور جمعہ کے فرض دو رکعتیں ہونی چاہیئں اور ظہر اور عصر اور عشاء کی چار رکعتیں فرض ہوں اور شام کی تین رکعتیں فرض ہوں۔ تو وہ اُنہیں قرآن میں خود نہ بیان کر دیتا اس سے ہم اس ایک ہی نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ یہ منشائے خداوندی

تھا ہی نہیں کہ ہر زمانہ میں ان فرائض کی رکعات کی شرح ایک ہی رہے۔ کوئی معقول اور مبنی بر انصاف وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ زکوٰۃ کی شرح تو بدلتی رہی اور نماز بے چاری جوں کی توں ہی رہے۔ آخر نماز نے کسی کا کیا بگاڑا ہے کہ جدید تقاضوں سے پیدا شدہ حالات سے اس کو نصیبہ نہ ملے۔ اگر پرویز صاحب کی اس دلیل میں کچھ جان ہے تو یقیناً نماز پر بھی وہ منطبق ہوگی اور کوئی وجہ نہیں کہ وہ اس پر چسپاں نہ ہو ؎

نظر جو آتی ہے شر کی صورت، اسی میں مضمر ہے خیر و برکت
کنارِ شب میں جہاں ہے ظلمت وہیں ستارے چمک رہے ہیں

پرویز صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ:۔

"جن جزئیات کو خدا نے خود متعین نہیں کیا، اُن کے متعلق خدا کا منشار یہی تھا کہ وہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلتی رہیں اور جن جزئیات کو رسول اللہؐ نے متعین کیا۔ اُن کے متعلق حضور کا بھی یہ منشا نہیں تھا کہ وہ قیامت تک کے لیے ناقابل تغیر و تبدل رہیں"۔

(مقام حدیث جلد ۲ ص ۲۹۹)

اس پرویزی ضابطہ اور برہان کے پیشِ نظر ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ نماز کی جزئیات اور اس کی رکعات وغیرہا کے متعلق منشائے خداوندی ہی یہ ہے کہ وہ زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلتی رہیں۔ اس لیے ہی خدا تعالیٰ نے اُن کو خود متعین نہیں کیا۔ یعنی ایک فارغ البال صوفی اور عابد کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ بجائے دو رکعتوں کے صبح کو بیس یا اس سے زیادہ رکعات فرض پڑھے اور ایک کلرک اور ملازم پیشہ آدمی کو اپنی دفتری ملازمت اور تقاضے کے مطابق صبح کی صرف ایک ہی رکعت پڑھ لینی چاہیئے۔ اور تقاضا اس سے بھی زیادہ مجبور کرے۔ تو سائیکل پر سوار ہو کر محض رکوع اور سجود پر ہی اکتفا۔ کی جاسکتی ہے

اور یہی اس کے حق میں منشائے خداوندی ہوگا کیونکہ ؎

اس کے الطاف بہت ہیں کہ گنہگار بہت

یہ ہے جناب پرویز صاحب اور اُن کی ہمدرد اور دل سوز جماعت کا نظریہ دربارۂ زکوٰۃ، یہ بات بھی پرویز صاحب کی گردن پر اُدھار رہے گی کہ ضرورت کے مطابق زکوٰۃ کا نصاب جو مرکزِ ملّت تجویز کرے گا، کیا وہ ظنّی ہوگا یا قطعی؟ قطعی تو صرف قرآن کریم ہے اور بس؟ کیا مرکزِ ملّت کا نام قرآن ہوگا؟ (العیاذ باللہ) اور اگر یہ مجوّزہ نصاب ظنّی ہوگا اور یہی وجہ ہے کہ وہ ادلتا بدلتا رہے گا تو ظنّی چیز دین کیسے بن گئی؟ ؎

من نگویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بین و کار آساں کن

۷۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کی ولدیت

قرآنِ کریم کی نصوصِ صریحہ اور احادیثِ صحیحہ اور تمام اہلِ اسلام کا اس امر پر کُلّی اتفاق ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو اللہ تعالےٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے بغیر باپ کے پیدا کیا ہے اور یہ ایک ایسی کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جس میں کبھی کسی مسلمان کو شک وشبہ نہیں ہوا۔ مگر پرویز صاحب قرآن کی صریح نصوص کو توڑ مروڑ کر اور ان میں ایسی ایسی تحریفات کا ارتکاب کرکے کہ اگر یہود بھی ایسی تاویلاتِ بعیدہ اور تحریفاتِ کاسدہ کو دیکھ لیں تو یقین ہے کہ پرویز صاحب کو اپنا مرشد تسلیم کرلیں۔ اور مرکزِ ملّت کا ایک قابلِ قدر فرد ہونے کے لحاظ سے اُن کا احترام کرنے میں تو کوئی دقیقہ فروگزاشت ہی نہ کریں۔

احادیث پر تو کوئی یقین ہی نہیں کیونکہ وہ محض ظنّ ہیں مگر اناجیل پر بھروسہ

کرتے ہوئے پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ :-

"غور فرمایا آپ نے حضرت مسیح کے متعلق اناجیل میں مذکور ہے کہ وہ حضرت داؤد کی نسل سے تھا اور سلسلہ یوسف نجار کی وساطت سے حضرت داؤد تک پہنچتا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ ان نسب ناموں کی رُو سے بھی حضرت مسیح یوسف کے بیٹے ہی قرار پاتے ہیں" (بلفظہ معارف القرآن جلد ۳ ص ۵۴۴)

اور پھر کافی طویل اور لاطائل بحث کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں کہ :-

"اب آیئے قرآن کریم کی طرف۔ اس میں یہ بالتصریح کہیں نہیں لکھا کہ حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی تھی" الخ

(معارف القرآن جلد ۳ ص ۵۴۷)

اور اس کے بعد قرآنی آیات کی ایسی کھلی اور واضح تحریف کی ہے کہ جس سے یہود باوجود فن تحریف میں ماہر ہونے کے شرما جائیں۔ یہ الگ بات ہے کہ پرویز صاحب اور ان کی جماعت کو شرم نہ آئے۔

پرویز صاحب! نہ معلوم آپ اتنے زود فراموش یا مفاد پرست کیوں واقع ہوئے ہیں اور کیوں ؎

تمہیں عادت ہے بھول جانے کی

آپ کو اپنا یہ فرمودہ نظریہ یاد نہیں رہا کہ :-

"آپ غور فرمایئے کہ قرآن کریم سے پیشتر کی تمام کتب سماوی کو قرآن نے ظنّی اور قیاسی قرار دے کہ ناقابلِ اعتبار ٹھیرایا ہے"

(بلفظہ مقام حدیث حصہ اوّل ص ۵۶)

کیا اناجیل اِن کتب سماوی میں داخل نہیں؟ اور اگر داخل ہیں تو بقول شُما

کیا قرآن نے انکو ظنّی اور قیاسی قرار دے کر ناقابلِ اعتبار نہیں ٹھیرایا؟ اگر قرآن کریم نے اُن کو ناقابلِ اعتبار ٹھیرایا ہے تو آپ کو اُن سے استدلال و احتجاج کرنے کا حق کس نے دیا؟ کیوں دیا؟ کب دیا؟ اور کیوں کر دیا ہے؟

معاف رکھیئے گا اگر آپ کا دعوت الی القرآن کا خوشنما نعرہ اور دِلآویز پکار (جو درحقیقت کلمۃ الحق ارید بہا الباطل کا مصداق ہے) اگر ہاتھی کے دانت نہیں جو کھانے کے اور ہیں اور دکھانے کے اور، تو آپ کو قول و عمل میں یکجہتی کا پورا پورا ثبوت دینا ہوگا۔ بقول کسے ؎

دو رنگی چھوڑ کر یک رنگ ہو جا!
سراسر موم ہو سنگ ہو جا!

محرّف اور خود ساختہ اناجیل سے یوسف نجّار کو حضرت عیسٰی علیہ السّلام کا باپ قرار دینا آپ کا ہی حصّہ ہو سکتا ہے۔ جیسی شخصیّت ایسا ہی عقیدہ اور جیسا عقیدہ، ایسے ہی اس کے دلائل۔ پھر کمی کس چیز کی ہے؟ نظر بظاہر اناجیل کی یہ دلیل جناب غلام احمد ثانی نے غلام احمد اوّل سے لی ہے (دیکھئے کشتی نوح ص۱۶ وغیرہ) یا محمد علی صاحب لاہوری سے مستعار لی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:-

"اور یہ یوسف نجار وہی ہے جو بروئے اناجیل و تاریخ (غالباً یہود کی تاریخ مراد ہوگی۔ کیونکہ اہلِ اسلام کی تاریخ میں تو تائیداً اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے۔ صفدر) حضرت مریم کے شوہر تھے (العیاذ باللہ) اور جن کے ساتھ مریم کا تعلّق زوجیّت یعنی میاں بی بی کا تعلق ہونا خود عیسائیوں کو مسلّم ہے"

(بلفظہ بیان القرآن جلد ۲ ص ۱۲۰۸)

یعنی قادیانیوں، لاہوریوں اور پرویزیوں کو یہ کیوں نہ مسلّم ہوتا۔ یہ تو خود علیسائیوں کو مسلّم ہے تو پھر ان کے ساختہ پرداختہ اور کاسہ لیسوں کو کیوں مُسلّم نہ ہو؟ یہ ہے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے لیے یوسف نجار کے باپ ہونے کا ثبوت۔
لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔

سچ فرمایا جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے "تم یہود اور نصاریٰ کی مُوبمُو پیروی کرو گے" کیسا جوڑ خدا نے ملا دیا ہے۔ جیسی روح ویسے فرشتے ؏

یہ مدعیٔ اسلام تو ہیں ساتھی ہیں مگر بیگانوں کے

تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے اور نہ قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت مسائل کے اثبات کی چنداں ضرورت ہی ہے۔ مگر پرویز صاحب ہی یہ بتلا دیں کہ کم و بیش تیس مرتبہ قرآن کریم میں مسیح بن مریم کا ذکر آتا ہے (گویا اوسطاً ایک پارہ میں ایک دفعہ) اس کی کیا وجہ ہے کہ سارے قرآن کریم میں کہیں مسیح بن یوسف کہہ کر خدا تعالےٰ نے حضرت عیسٰے علیہ السّلام کو باپ کی طرف منسوب نہیں کیا اور صرف ماں ہی کی طرف ہر جگہ کیوں نسبت کی گئی ہے؟ آخر اس میں بھی ضرور کوئی خاص راز اور نکتہ تو ہوگا؟ اس رازداری اور پردہ پوشی میں آخر کیا حکمت مضمر ہے؟ کوئی حکمت ہوگی تو ضرور؟ آخر ؏

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

یہ بھی یاد رہے کہ قرآن کریم کو نازل کرنے والا وہی خدا ہے جس نے اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ (کہ ان کو ان کے باپوں کی طرف منسوب کرو) کا حکم دیا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کہیں اور کسی موقع پر بھی حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو ان کے (اس مفروض) باپ کی طرف منسوب نہیں کرتا۔ اور ہر جگہ عیسٰے ابن مریم اور مسیح بن مریم ہی کہتا ہے۔ یہ کیسے باور کر لیا جائے کہ

اگر واقعی حضرت عیسٰی علیہ السّلام کا کوئی باپ ہوتا تو اُن کی باپ کی طرف نسبت نہ ہوتی ؟

یہ بات بھی پیش نظر رہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا فرشتہ انسانی صورت میں متمثل ہو کر حضرت مریم علیہا السّلام کے سامنے تنہائی میں پیش ہوا اور ان کو غُلٰمًا زَكِيًّا ستھرے لڑکے کی بشارت سنائی تو اس پر متعجب ہو کر حضرت مریمؑ نے کہا کہ :۔

قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ	کہا کہ کہاں سے ہو گا میرا لڑکا اور چھوا
يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ۝	نہیں مجھ کو کسی آدمی نے اور میں بدکار بھی
قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ	کبھی نہ تھی ۔ وہ بولا یونہی ہو گا فرما دیا رب
هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً	نے کہ وہ مجھ پر آسان ہے اور ہم اس کو
لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ	لوگوں کے لیے نشانی بنانا چاہتے ہیں اور
اَمْرًا مَّقْضِيًّا ۝ (پ ۱۶ ، مریم ۲۰)	مہربانی اپنی طرف سے اور یہ معاملہ طے ہو چکا ہے

عادتاً اولاد ملنے کے دو ہی طریقے ہیں ۔ حلال طریقہ سے کوئی مرد اپنی بیوی کے پاس جائے اور یا وہ بدکاری کر کے اولاد حاصل کرے ۔ لیکن حضرت مریمؑ نے لَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ اور وَلَمْ اَكُ بَغِيًّا کہہ کر ان دونوں طریقوں کی نفی کرتے ہوئے تعجب اور حیرت کا اظہار کیا ہے اور فرستادۂ خدا نے بھی كَذٰلِكِ فرما کر اسی موجودہ حالت میں (جو ان دونوں کے ماسوا ہے) لڑکا ملنے کی بشارت سنائی ہے اور پھر قدرت خداوندی کا حوالہ دیتے ہوئے اس امر کو هَيِّنٌ آسان اور نشانی اور طے شدہ حقیقت سے تعبیر کر کے معاملہ پر مُہر ثبت کر دی ہے تاکہ کسی کوڑ مغز کے ہاتھوں میں کوئی حجّت اور دلیل باقی نہ رہے ۔ باقی پرویز صاحب (وغیرہ) کا قرآن کریم کے اس صریح اسلوب کو بگاڑ کر اور

اس میں تحریف کر کے اس پر کئی صفحات سیاہ کر دینا شاید ان کے نزدیک تو دلیل اور برہان ہو مگر قرآن کریم کی معمولی سمجھ رکھنے والے پر بھی یہ بالکل عیاں اور آشکارا ہے اور اس میں کسی قسم کا کوئی شک اور شبہ نہیں اور نہ اُس کی کوئی گنجائش ہے کہ یہ قرآن کریم کی خالص تحریف، محض سینہ زوری، صریح بہتان اور سفید جھوٹ ہے جو کسی طرح بھی قابلِ سماعت نہیں ہے۔ ادبی زور، سلاستِ زبان اور انشاء پردازی سے حقیقت کبھی نہیں بدلی جا سکتی اور نہ کسی مومن کو اس سے تسکینِ قلب حاصل ہو سکتی ہے۔ پرویز صاحب اور ان کی جماعت بڑے شوق سے طمانیتِ قلب کا سامان تلاش کریں۔ انکو اس جہان میں بالکل آزادی ہے مگر ایک وقت آنے والا ہے، کہ جس میں ایک ایک امر کی حقیقت منکشف ہو کر رہے گی اور رہے

بوقتِ صبح شود ہم چو روز معلومت — کہ با کہ باختہٗ عشق در شبِ دیجور

۸۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات

قرآن کریم کی آیات، متواتر احادیث اور تمام اُمتِ مسلمہ کے اتفاق و اجماع سے یہ مسئلہ ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب تک آسمان پر زندہ ہیں اور قیامت کے قریب وہ اپنے جسمِ عنصری کے ساتھ زمین پر نازل ہو کر دجال لعین کو بدستِ خود قتل کریں گے اور پھر اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے جہاد کریں گے۔ ہم اس مقام پر اس مسئلہ کے دلائل پیش نہیں کرتے۔ ہم نے اس مسئلہ میں ایک مستقل رسالہ لکھنے کا ارادہ کیا ہے[1] اور اس پر بہت سے دلائل اور حوالے جمع کر لیے گئے ہیں۔ یہاں بلا تنقید صرف پرویز صاحب کا نظریہ ہی اُن کی عبارت میں پیش کرنا مقصود ہے۔ چنانچہ وہ قرآن کریم

---

[1] بفضلہٖ تعالیٰ یہ رسالہ توضیح المرام فی نزول المسیح علیہ السلام اب طبع ہو چکا ہے

کی بعض آیات کی تحریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

" ان تصریحات (نہیں بلکہ تحریفات۔ صفدر) سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے اب تک زندہ ہونے کی تائید قرآنِ کریم سے نہیں ملتی۔ قرآن کریم آپ کے وفات پا جانے کا بصراحت ذکر کرتا ہے "

(بلفظہ معارف القرآن جلد ۲، ص ۵۳۲)

اِس صراحت کا ذکر ہم اپنے رسالہ میں کریں گے انشاء اللہ العزیز۔ سرِ دست اتنا ہی کہہ دینا کافی سمجھتے ہیں کہ پرویز صاحب کا قرآن کریم پر یہ خالص بہتان اور سفید جھوٹ ہے لعنۃ اللہ علی الکاذبین علامہ اقبالؒ نے ایسے ہی محرّفین کے بارے میں یہ کہا ہے کہ ع

خود تو بدلتے نہیں قرآن کو بدل دیتے ہیں

اور احادیثِ نزول حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

" کوئی روایت جو حضرت عیسیٰؑ کی آمد کی خبر دیتی ہے، وضعی اور جھوٹی ہے جو ہمارے لیے سند نہیں ہو سکتی " (بلفظہ جلد ۲ ص ۵۷۵)

پرویز صاحب! حدیث کے سند ہونے نہ ہونے کا کیا سوال ؟ آپ تو درحقیقت قرآن کو بھی سند نہیں سمجھتے ہم اس کی بہت سی نظریں خود آپ کی کتابوں سے عرض کریں گے انشاء اللہ العزیز (یار زندہ صحبت باقی) ابھی ابھی آپ کے حوالے سے یہ بات گذر چکی ہے کہ قرآن تمام پیشتر کتبِ سماوی کو غیر معتبر قرار دیتا ہے مگر آپ ان کے بل بوتے پر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا باپ ثابت کرتے ہیں۔ بتلایئے قرآن کا حکم آپ کے لیے سند رہا ؟ کیا خوب ؟

چل دیئے آپ دِل کو تڑپا کر
کون دیکھے یہ بے بسی دل کی

۹۔ معراج شریف

قرآن کریم کی قطعی آیات اور متواتر احادیث اور اُمت کے متفقہ فیصلہ سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو صرف ایک ہی رات میں بیداری کی حالت میں جسم عنصری کے ساتھ مسجد حرام سے مسجد اقصٰے تک لے جایا گیا اور پھر وہاں سے عالم بالا اور سدرۃ المنتہیٰ تک کی سیر کرائی گئی اور اسی رات عالم علوی میں نمازوں کی فرضیت بھی ہوئی اور کسی مسلمان کو اس واقعہ کے صحیح تسلیم کرنے میں کبھی کوئی تامّل نہیں ہوا اور نہ ہوسکتا ہے۔ اس مقام پر ہمیں معراج جسمانی کے دلائل پیش کرنے سے کوئی سروکار نہیں ہم نے اس پر ایک مستقل رسالہ ضوء السراج فی تحقیق المعراج یعنی چراغ کی روشنی لکھ کر اس کے مثبت اور منفی دلائل بیان کر دیئے ہیں۔ وہ وہاں ہی ملاحظہ کریں یہاں صرف یہ بتانا منظور ہے کہ پرویز صاحب چہ می گویند۔

پہلے چونکہ بعض نام نہاد روشن خیال اور مدعیانِ عقل وخرد کے سامنے یہ اشکال تھا کہ انسان جسدِ عنصری کے ساتھ مختلف کُروں کو عبور کر کے آسمان تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ لہٰذا ان کے نزدیک یہی ایک وزنی دلیل تھی جس سے معراج جسمانی وغیرہ کا انکار کرنے پر وہ ادھار کھائے بیٹھے تھے۔ البتہ اس کی تعبیریں جدا جدا کی جاتی تھیں اور اب جب کہ سائنس کی موجودہ ترقی نے بڑے بڑے وزنی راکٹ (چار ٹن یعنی تقریباً ایک سو آٹھ من کا مصنوعی راکٹ روس نے تین ہفتے ہوئے ہیں کہ فضا میں چھوڑا ہے) اور مصنوعی چاند اور سیّارے فضا میں چھوڑ کر بلکہ چاند تک راکٹ بھیج کر اس میں اپنا جھنڈا تک نصب کر کے عقلی طور پر اس کا استبعاد دور کر دیا اور راکٹوں کے ذریعہ چاند تک انسان کا جانا بھی ممکن ثابت کر دیا ہے (اور اب تو لوگ اس سفر کے لیے سیٹیں بھی ریزرو کرانے کی فکر میں لگے

ہوتے ہیں) پرویز صاحب نے معراج جسمانی کے انکار پر پہلوانوں کی طرح پینترا بدل کر یوں ارقام کیا ہے کہ:۔

"اگر آج سائنس کی کوئی ایجاد اس کا امکان بھی پیدا کر دے کہ کوئی شخص روشنی کی رفتار سے مریخ یا چاند کے کروں تک پہنچ جائے اور پھر چند ثانیوں میں واپس بھی لوٹ آئے تو میں پھر بھی حضور کے معراج کو جسمانی نہیں تسلیم کروں گا اس لیے کہ میرے دعوٰی کی بنیاد ہی دوسری ہے اور وہ (جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا ہے) یہ ہے کہ جسمانی معراج سے یہ تصوّر کرنا لازم آتا ہے کہ خدا کسی خاص مقام پر موجود ہے اور میرے نزدیک خدا کے متعلق یہ تصور قرآن کی بنیادی تعلیم کے خلاف ہے۔"
(بلفظہٖ معارف القرآن جلد ۲ ص ۲۴ و مقام حدیث جلد ۲ ص ۲۱ و طلوع اسلام ص ۴۴ ماہ اکتوبر ۱۹۵۰ء)

پرویز صاحب! جس شخص نے کسی چیز کے انکار ہی کی ٹھان لی ہو اس کو تسلیم کرانا کس کے بس میں ہے؟ مگر چلتے چلتے یہ تو بتا دیں کہ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَیْهِ اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ اور الرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی وغیرہا آیات میں یہ تصور پیدا نہیں ہوتا کہ خدا کسی خاص مقام میں موجود ہے؟ (یہ الگ بات ہے کہ یہ موجود ہونا اسی طرح سے ہوگا جو اس کی شان رفیع کے لائق اور مناسب ہوگا لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ) اور کیا خود قرآن ہی اس مفروض قرآنی تصوّر کے خلاف کچھ نہیں بنا رہا؟

چلئے اگر یہ قرآنی تصوّر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو بقول پرویز صاحب عالم بالا تک سیر نہیں کرنے دیتا تو آپ کے مسجد اقصیٰ تک جانے میں کیا اشکال ہو سکتا ہے؟ یا وہاں تک جسم عنصری کے ساتھ ایک ہی رات میں جا کر واپس

آنے سے بھی خدا تعالیٰ کا وہاں مقیم اور موجود ہونا ثابت ہوتا ہے؟

پرویز صاحب! آپ لگی لپٹی کیوں کہتے ہیں؟ صاف کیوں نہیں کہہ دیتے کہ کچھ بھی ہو جائے، میں معراج جسمانی کو اس لیے تسلیم نہیں کرتا کہ میرے نزدیک جناب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے حسّی معجزات کا کبھی صدور ہی نہیں ہوا لہٰذا میری فہم مبارک اور دماغ شریف میں قرآنی بصیرت کے تحت معراجِ جسمانی کا واقعہ آ ہی نہیں سکتا۔ اس کا یہ دُور از کار بہانہ کیوں تلاش کیا گیا ہے؟ آپ کی پوری جماعت کا مقصد تو صرف ایک ہے کہ معراج جسمانی ثابت نہیں البتہ اپنے اپنے مذاق کے مطابق اس کے لیے بزعم خود دلائل کشید کیے گئے ہیں۔ کسی نے کچھ کہا اور کسی نے کچھ ؎

دِل فریبوں نے کہی جس سے نئی بات کہی
ایک سے دن کہا اور دوسرے سے رات کہی

۱۰۔ حسّی معجزات

تمام صحیح العقیدہ مسلمان اس امر پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو کئی ایک حسّی معجزات عطا فرمائے تھے۔ معراج جسمانی اور شق قمر وغیرہ کے معجزات خود قرآنِ کریم میں مذکور ہیں اور آپ کے دیگر ظاہری اور حسّی معجزات کا ذکر کتب حدیث اور تاریخ وغیرہ میں موجود ہے۔ الغرض آپ کے حسّی معجزات کا قدر مشترک حصہ حدِ تواتر کو پہنچا ہوا۔ جس کا انکار صرف وہی شخص کر سکتا ہے، جو دیدۂ بصیرت سے محروم اور روحانیت سے یکسر عاری ہو۔ مگر اس کو کیا کیا جائے کہ پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"گزشتہ صفحات میں جو تصریحات (نہیں بلکہ خالص تحریفات، صفدر) آپ کے سامنے آچکی ہیں، ان سے یہ حقیقت واضح ہو گئی ہوگی

کہ قرآن کریم نے کس شدّت اور تکرار سے اس کی صراحت فرما دی ہے کہ نبی اکرم کو کوئی حسّی معجزہ نہیں دیا گیا اور حضور کا معجزہ صرف قرآن ہی ہے"۔ (بلفظہٖ معارف القرآن ج ۴ ص ۷۹)

یہ ہے پرویز صاحب کی قرآنی بصیرت کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو کوئی حسّی معجزہ دیا ہی نہیں گیا اور مغالطہ ان کو اس سے ہوا کہ مشرکین نے از روئے تعنّت وعناد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے کچھ فرمائشی معجزات طلب کئے تھے، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ان مشرکین پر یہ بات واضح کر دی کہ معجزہ لانا نبی کا اپنا فعل نہیں کہ وہ جب چاہے لے آئے بلکہ یہ خدا تعالےٰ کا فعل ہوتا ہے جو نبی کے ہاتھ پر صادر کیا جاتا ہے۔ اس کی مزید تحقیق راقم کی کتاب راہِ ہدایت میں ملاحظہ کیجیے۔

ان فرمائشی معجزات کے نہ ظاہر ہونے سے اور اس سے کہ معجزہ نبی کا اپنا فعل نہیں ہوتا، یہ کیونکر ثابت ہوتا ہے کہ حسّی معجزات کا آپ کے ہاتھ پر صدور ہی نہیں ہوا؟ یہ عجیب منطق اور انوکھی بصیرت قرآنی ہے جو پرویز صاحب کو حاصل ہوئی ہے مگر اس کو کیا کیجیے کہ ؎

رہے نہ اہلِ خرد تو بے خرد چمکے
فروغِ نفس ہوا عقل کے زوال کے بعد

۱۱۔ آخرت

قرآن کریم اور اس کے علاوہ دیگر سب کتب سماوی اور تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام اور بلا استثناء ان کی ساری اُمّتیں تا آنکہ اس اُمّتِ مرحومہ کا بھی تا ہنوز اس امر پر کلی اتفاق رہا ہے کہ اِس جہان کے بعد کوئی اور جہان بھی ہے، جس کو شریعت کی اصطلاح میں بعث بعد الموت، قیامت اور آخرت

وغیرھا کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے مگر اب منکرینِ حدیث نے دنیا اور آخرت جیسی مشہور دینی اور مذہبی اصطلاحات کا مفہوم بھی اپنے باطل اغراض داھول کے مطابق کچھ اور گھڑ لیا ہے کہ دنیا کے معنی حاضر اور آخرت کے معنی مستقبل کے ہیں اور قرآن کریم میں جو یہ حکم ہے کہ اپنی آخرت کی فلاح و کامرانی کے لیے بھی کچھ خرچ کرتے رہو۔ تو اس کا مطلب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ سب کچھ اپنی موجودہ ضروریات پر ہی نہ صرف کر ڈالو بلکہ مستقبل کی ضرورت کے لیے بھی کچھ "بینک" وغیرہ میں محفوظ کر لیا کرو۔

نیاز صاحب کا یہ نظریہ تو آپ پہلے پڑھ ہی چکے ہیں کہ :۔

"ہر چند دوسرے عالم سے حیات بعد الممات کا عالم مراد لینا میرے نزدیک درست نہیں اور اس سے مقصود صرف یہ کہنا ہے کہ کوشش کرتے رہو اگر آج نہیں تو کل کامیاب ہو گے"

(من و یزدان، حصہ دوم ص ۲۲۳)

اور اب آپ پرویز صاحب کا نظریہ ملاحظہ کیجیے کہ آخرت سے وہ کیا مراد لیتے ہیں کہ :۔

"یہی وجہ ہے کہ قرآن ماضی کی طرف نگاہ رکھنے کے بجائے ہمیشہ مستقبل کو سامنے رکھنے کی تاکید کرتا ہے۔ اسی کا نام ایمان بالآخرت ہے اور یہ بجائے خویش بہت بڑا انقلاب ہے۔ جسے رسالت محمدیہ نے انسانی نگاہ میں پیدا کیا، یعنی ہمیشہ نگاہ مستقبل پر رکھی وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوقِنُوْنَ ۝ (بلفظہ طلوعِ اسلام ص۹، ۲۹ر اکتوبر ۱۹۵۵ء)

عجمی سازش

حدیث کے بارے میں پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ :۔

"مثلاً یہ عقیدہ کہ قرآن کے ساتھ قرآن کی مثل کچھ اور بھی ہے (مثلہ معہ)
اور یہ وہ مجموعہ روایات ہے (الی ان قال) میرے نزدیک یہ عقیدہ
خالص عجم کی سازش کا نتیجہ ہے" ۱۵

(طلوع اسلام ص۶۳، اپریل ۱۹۵۲ء)

حدیث رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) تو پرویز صاحب کے نزدیک عجمی سازش کا نتیجہ ہے مگر پرویز کا لقب خود ان کا وجود ان کی زندگی، مادری زبان اور سب ماحول غالباً خالص عربی ہوگا۔ رہی اُن کی بصیرتِ قرآنی (جو خالص مغربی ذہن کی پیداوار ہے) تو اس کے عربی ہونے میں کیا شک ہو سکتا ہے؟ ع "مذہب معلوم اہلِ مذہب معلوم"

یہ ہیں پرویز صاحب کی فہم قرآن اور بصیرت قرآنی کے کچھ گوہر پارے جو ہم نے بطور نمونہ عرض کئے ہیں، ورنہ اُن کی تمام کتابیں اور مضامین ایسے ہی باطل نظریات اور ملحدانہ افکار پر مشتمل ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ پرویز صاحب قرآن کریم کی پیش کردہ اور جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی بتائی ہوئی شریعت کے مقابل میں ایک متوازی شریعت قائم کرنے کی فکر میں ہیں مگر دعوت الی القرآن کی خوش آیند پکار اور اُردو ادب اور انشاء کی رام کہانی کے دام ہمرنگ زمین میں بعض سادہ لوح اور دین و آخرت سے بے فکر برائے نام مسلمانوں کو پھانسنے کے وسیع مشاق اور تجربہ کار ہیں۔ ارادہ تو تھا کہ ان کے بہت کچھ اور باطل نظریات بھی قارئین کرام کے سامنے پیش کیے جاتے مگر سر دست تین چار چیزیں اور عرض کر کے ان پہ اکتفاء کی جاتی ہے کیونکہ ؎

اند کے با تو می گفتم و غمِ دل ترسیدم — کہ آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است۔

۱۲۔ اطاعتِ رسول

آفتابِ نیمروز کی طرح یہ حقیقت بالکل عیاں ہے کہ جب اطاعتِ رسول کے اصول کو تسلیم کر لیا جائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اسوۂ حسنہ اور حدیث شریف کی پیروی سے بھی کوئی مفر نہیں ہے اور بار بار قرآنِ کریم میں وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وغیرہ کے صریح الفاظ سے اطاعتِ رسول کو تسلیم کرنا اور اس کے مطابق زندگی بسر کرنا مسلمانوں کا اہم فریضہ بتایا گیا ہے لیکن جب بزعمِ خود دورِ حاضر کے مُبصّرِ قرآن پرویز صاحب نے یہ دیکھا کہ اطاعتِ رسول جیسی بھاری چٹان کو راستہ سے ہٹائے بغیر حدیث کا انکار بہت دشوار ہے تو اس وزنی چٹان کو ہٹا کر انکارِ حدیث کا راستہ ہموار کرنے کی کئی بے وزن اور بے وقعت دلیلیں ان کو سوجھیں جن سے غالباً وہ خود بھی مطمئن نہ ہوں۔ ان سے بھلا دوسروں کو کیسے تسکین حاصل ہو سکتی تھی؟ اس لیے انہوں نے ان سے صرفِ نظر کرتے ہوئے سَو دلیل کی ایک دلیل اور ہزار برہان کا ایک برہان پیش کر کے اطاعتِ رسول کی وزنی چٹان سے گلوخلاصی کرنے کی بے حاصل سعی کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

> "قرآن یہ کہنے آیا تھا کہ اور تو اور کسی رسول کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ انسانوں سے اپنی اطاعت کرائے۔ وہ خود بھی احکامِ خداوندی کی اطاعت کراتا ہے۔" (مقامِ حدیث جلد ا صـ۷۲)

پرویز صاحب ہی از راہِ دیانت وانصاف یہ بتلادیں کہ یہ کس قرآن میں ہے کہ اور تو اور کسی رسول کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ وہ انسانوں سے اپنی اطاعت کرائے۔

قرآن کریم میں تو یہ صریح حکم موجود ہے کہ:۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (پ۵۔ النساء)

اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر صرف اِس لیے تاکہ اللہ تعالےٰ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے۔

قرآن کریم تو صاف طور پر یہ بتلاتا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے کوئی رسول ایسا بھیجا ہی نہیں جو خدا تعالےٰ کے حکم سے مطاع بن کر نہ آیا ہو اور انسانوں پر اس کی اطاعت ضروری نہ ہو۔ یہ الگ امر ہے کہ رسول کی اطاعت خدا کی اطاعت ہے مگر بہر حال رسول ہے تو مطاع ہی۔ پرویز صاحب! کیا یہ قرآنی حکم نہیں ہے؟ کچھ تو لب کشائی فرمایئے۔ مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ، دیکھا آپ نے پرویز صاحب نے اپنے اس باطل نظریہ کے لیے کہ حدیث دینی حجّت نہیں، کس طرح واشگاف الفاظ میں قرآن کریم کی بغاوت کی ہے۔ قرآن تو یہ کہتا ہے کہ ہر رسول مطاع ہوتا ہے اور انسانوں پر اس کی اطاعت لازم ہوتی ہے۔ لیکن اس کے مدِّمقابل اور برعکس پرویز صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن یہ کہنے آیا تھا کہ اور تو اور کسی رسول کو بھی یہ حق حاصل نہیں کہ انسانوں سے اپنی اطاعت کرائے۔

یہ ہے پرویز صاحب کی بصیرتِ قرآنی، حیف ہے اس بصیرت پر

ع بریں عقل و دانش بباید گریست

نظر بظاہر پرویز صاحب پر جب بصیرت قرآنی کا غلبہ ہوا تو ان کو اطاعت اور عبادت (جس کے معنی بندگی کے آتے ہیں) میں فرق ملحوظ نہ رہا اور اُن کا ذہن مبارک معاً اس مضمون کی طرف منتقل ہو گیا، جس میں آتا ہے کہ کسی بشر کو یہ حق حاصل نہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائی ہو کہ پھر وہ لوگوں سے یہ کہتا پھرے کہ کُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ (الآیۃ) تم میرے بندے ہو جاؤ۔ الخ مگر پرویز صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ عبادت

اور اطاعت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ نفی عبادت کی ہے اور اثبات اطاعت کا ہے۔ ع

سخن شناس نہ دلبرا خطا اینجا است

۱۳۔ امام بخاریؒ پر صریح بہتان

حضرت امام بخاریؒ کی صحیح بخاری کے علاوہ اکیس کتابیں ہیں جن میں الجامع[1] الکبیر، المسند[2] الکبیر، کتاب الوحدان[3]، بر الوالدین[4]، اور ادب[5] المفرد وغیرہ تو خالص حدیث کی کتابیں ہیں۔ صحیح بخاری میں انہوں نے تقریباً چھ لاکھ احادیث میں سے ضرورت کے مطابق انتخاب فرما کر حسب تحقیق حافظ ابن حجرؒ (المتوفی ۸۵۵ھ) اور امام نوویؒ وغیرہ ۷۲۷۵ اور بغیر مکرر ...۴ حدیثیں نقل کی ہیں۔ جو حدیثیں انہوں نے بخاری شریف میں درج نہیں کیں، ان میں بھی بیشتر ان کے نزدیک صحیح تھیں۔ چنانچہ الحافظ ابو الفضل بن طاھرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

انہما ترکا کثیرًا من الصحیح الذی حفظاہ (کتاب الشروط الائمۃ ص۹)	امام بخاریؒ اور مسلمؒ نے بہت سی صحیح حدیثیں جو اُن کو یاد تھیں صحیحین میں درج نہیں کیں۔

اور امام حاکمؒ نے بھی اس کی تصریح کی ہے کہ شیخین (امام بخاریؒ و مسلمؒ) نے صحیحین میں تمام صحاح روایت کا استیعاب نہیں کیا۔ (مستدرک ص۳ ج۱) اور امام نوویؒ (المتوفی ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

فانہما لم یلتزما استیعاب الصحیح بل صح عنہما تصریحہما بانہما لم یستوعباہ وانما قصدا جمع جمل من الصحیح اھ (المقدمۃ للامام النوویؒ ص۱۶)	امام بخاریؒ و مسلمؒ نے تمام صحیح حدیثوں کے استیعاب کا التزام نہیں کیا بلکہ اُن کی اپنی تصریح صحیح سند سے ثابت ہے کہ ہم نے (صحیحین میں) سب صحیح حدیثیں درج نہیں کر دیں بلکہ ان کا مقصود تو صحیح حدیثوں کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرنا تھا۔

علامہ عبدالعزیزؒ فرہارویؒ المتوفی بعد ۱۲۳۹ھ لکھتے ہیں کہ :-

بان الشیخین لم یقصد احصر الصحاح فی الصحیحین بل قد وجد عنہما التصریح بعدم الحصر (کوثر النبی صلا قلمی)	" امام بخاری و مسلمؒ نے تمام صحیح حدیثوں کو صحیحین ہی میں بند نہیں کر دیا بلکہ ان دونوں سے اس کی تصریح آئی ہے کہ صحیح حدیثیں صحیحین ہی منحصر نہیں ہیں "

بلکہ حافظ ابن حجرؒ شیخ الاسلام حافظ اسمٰعیلیؒ (المتوفی ۲۷۱ھ) کی سند سے اور علامہ ابوبکر الحازمیؒ (المتوفی ۵۸۴ھ) اپنی سند کے ساتھ خود امام بخاریؒ سے یہ نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ :-

لم اخرج فی ھذا الکتاب الا صحیحاً وما ترکت من الصحیح اکثر (مقدمہ فتح الباری ج۲ ص۷ طبع المنیریۃ مصر و شروط الائمۃ الخمسۃ طبع مصر ص۴۹ للحازمیؒ)	میں نے اس الجامع الصحیح میں صرف صحیح حدیثیں ہی درج کی ہیں اور جو حدیثیں میں نے صحیح بخاری میں درج نہیں کیں ، وہ ان سے کہیں زیادہ ہیں۔

ان تمام ٹھوس اقتباسات سے یہ معلوم ہوا کہ نہ تو حضرت امام بخاریؒ اس کے قائل تھے کہ جو حدیثیں صحیح بخاری میں درج نہیں ہیں وہ ضعیف اور مسترد ہیں اور نہ محدثین کرامؒ ہی یہ سمجھے ہیں بلکہ امام بخاریؒ کی اپنی تصریح سے یہ بات ثابت ہو گئی ہے کہ الجامع الصحیح کے علاوہ بھی بہت سی حدیثیں ہیں جو صحیح ہیں اور امام بخاریؒ ان کو صحیح ہی کہتے ہیں لیکن اس کے برعکس پاکستان کے مبصر قرآن جناب پرویز صاحب شرم وحیا کو بالائے طاق رکھ کر یوں لکھتے ہیں کہ :-

" امام بخاریؒ نے چھ لاکھ حدیثیں اکٹھی کیں یعنی جو لوگ ان کے سامنے

موجود تھے، اُن سے سنیں اور اس کے بعد اپنی بصیرت کے مطابق ان میں سے پانچ لاکھ ستانوے ہزار کو ناقابل اعتبار سمجھ کر مسترد قرار دے دیا اور بقایا تین ہزار کے قریب اپنی کتاب میں درج کرلیں"

(بلفظہٖ مقامِ حدیث ج ۱ ص ۵۷)

یہاں یہ لکھا ہے اور دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں کہ :۔

"چنانچہ امام بخاریؒ نے قریب چھ لاکھ روایات میں سے پانچ لاکھ چورانوے ہزار کو مسترد کر دیا اور قریب چھ ہزار احادیث کو اپنے ہاں درج کیا" (بلفظہٖ مقامِ حدیث جلد ۲ ص ۳۲۴)

اس کو کہتے ہیں تحقیق، دیانت، انصاف، ریسرچ اور بصیرتِ قرآنی لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔ اُردو ادب میں مہارت کیا حاصل ہوئی کہ گے پرویز صاحب تاریخ کی ٹانگ توڑنے۔ مگر یاد رہے کہ ؏

نہ ہر کہ موئے برا فروخت دلبری داند

۱۴۔ مذہب کا تصوّر

مُسلمانوں کا مذہب اور دین جو قرآنِ کریم اور احادیث پر مبنی ہے، ایک اعلیٰ صداقت کا حامل ہے اور حق مذہب ہے۔ اسی پر نجاتِ اُخروی موقوف ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ لیکن پرویز صاحب بلا استثنار تمام مُسلمانوں کے مذہب کو غلط تصوّر کرتے ہیں اور اس کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کے درپے ہیں۔ چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں کہ :۔

"میری قرآنی بصیرت نے مجھے اس نتیجہ پر پہنچایا ہے کہ جو تصوّر آج کل مذہب کا لفظ پیش کرتا ہے۔ وہ تصوّر قرآن کے خلاف ہے۔ میرے پیش نظر مقصد یہ ہے کہ میں مُسلمانوں

پر واضح کردوں کہ مذہب کا جو تصوّر اُن کے ذہن میں ہے وہ قرآنی تصوّر نہیں۔" (بلفظہٖ مقامِ حدیث ج ۲ ص ۲۱۳) اور حاشیہ پر لکھا ہے کہ ان امور کی تفصیل کے لیے دیکھئے "اسبابِ زوالِ اُمّت" جو دورِ حاضر کا انقلاب آفرین مقالہ ہے (انتہیٰ بلفظہٖ)

دین اور مذہب کا اختراعی فرق ملحوظ رکھ کر مذہب سے فرار اختیار کرنے کا چور دروازہ اپنے لیے کھلا چھوڑنا مبصّرِ قرآن ہی کو زیب دیتا ہے۔ آپ حیران ہوں گے کہ پرویز صاحب مسلمانوں کے اس غلط تصوّر کو مٹا کر کون سا طریقہ اُن کو بتانا چاہتے ہیں؟ اور کن مسلمانوں کے ساتھ ان کا تعاون و اشتراک ممکن ہو سکتا ہے؟ مگر اس کا جواب بھی خود پرویز صاحب ہی اپنی بصیرتِ قرآنی کے تحت "میری دعوت" کا عنوان قائم کر کے یہ دیتے ہیں کہ:-

"اگر میری اس دعوت کی مخالفت ہوتی ہے تو اس میں کوئی چیز وجہ تعجب نہیں۔ اس لیے کہ میری دعوت لوگوں کے ساتھ ساتھ چلنے کی نہیں، بلکہ انہیں اُن کی موجودہ روش سے روک کر دوسری راہ پر لے جانے کی ہے۔ مخالفت اس کی نہیں ہوگی جو ان کی روش کی تائید کرے گا لیکن جو اُنہیں اس روش سے روکے گا۔ اس کی مخالفت ناگزیر ہے۔"

(بلفظہٖ مقامِ حدیث جلد ۲، ص ۲۱۷)

مطلب بالکل واضح ہے کہ مسلمانوں کا مذہب، اُن کی راہ اور ان کی روش بالکل جدا ہے اور پرویز صاحب کی بالکل الگ ہے، وہ مسلمانوں کو اپنی راہ پر ڈالنا چاہتے ہیں جس کا کچھ خاکہ آپ کے سامنے آچکا ہے اور مسلمان اس میں ان کی مخالفت کرتے ہیں اور یہ مخالفت ناگزیر ہے۔ پھر مصالحت کیسے ہو

اور کیوں ہو؟ ؎

زبان رکھتے ہیں ہم بھی آخر کبھی تو پوچھو سوال کیا ہے

۱۵۔ تفاسیر کا حکم

تمام مسلمان اس کے قائل ہیں کہ قرآن کریم کی وہی تفسیر درجہ اول پر معتبر ہوگی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مروی ہے، جو کتب حدیث کے ابواب التفسیر وغیرہ میں آتی ہیں۔ مگر چونکہ اُن کو صحیح تسلیم کر لینے کے بعد پرویز صاحب اپنے محض ذاتی اور اختراعی رائے سے تفسیر نہیں کر سکتے اس لیے انہوں نے راستہ کے اس روڑے کو یوں ہٹانے کی کوشش کی ہے کہ "علوم قرآنی کی یہ تفاسیر یا تو رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ہیں ہی نہیں۔ یونہی وضعی طور پر آپ کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں اور یا اگر کوئی ان کی صحت پر اتنا ہی اصرار کرے تو زیادہ سے زیادہ کہا جا سکے گا کہ آپ نے پوچھنے والے کی ذہنی سطح کے مطابق جواب دیدیا تھا۔ جہاں تک میرا تعلق ہے میں اوّل الذکر صورت ہی کو صحیح مانتا ہوں" (کہ یہ نری وضعی ہیں۔ صفدر) (مقام حدیث ج ۲ ص ۳۰)

⑧

تمنّا صاحب عمادی پھلواروی

منکرین حدیث میں تمنّا عمادی صاحب کا مقام بہت اونچا ہے وہ اس جماعت میں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں اور ان کی جماعت کے خیال میں اُن کو اسماء الرجال اور طبقات رواۃ پر گہرا اور عمیق مطالعہ حاصل ہے اور یہ ایک بالکل حقیقت ہے کہ وہ محض سینہ زوری اور طباعی

سے بات کا بتنگڑ بنانے میں اپنی نظیر آپ ہی ہیں اور اپنے ذہن میں ہوائی قلعے تعمیر کر کے ان میں پناہ گزیں ہوتے ہیں اور روات کے بارے میں زمین و آسمان کے خوب قلابے ملاتے ہیں اور اس فن میں اُن کو ایسا کمال حاصل ہے کہ تاریخی طور پہ جو دو اشخاص بالکل الگ الگ قوم اور نسب، وطن اور زمانہ میں گزرے ہوں، مداری کی طرح ان کو ایک ثابت کرنا تمنّا صاحب کے بائیں ہاتھ کا کرتب ہے۔

۱۔ جمع احادیث

تمام اہل اسلام اس امر پر متفق ہیں کہ حضرات صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور اتباعِ تابعینؒ نے پوری محنت اور مشقّت خالص دینی جذبہ اور ولولہ، کامل خلوص اور للّٰہیت سے آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی احادیث کو اپنے سینوں میں اور سفینوں میں محفوظ رکھا ہے اور بیحد جرأت اور بہادری سے اُنہوں نے یہ امانت عظمیٰ اُمّتِ مرحومہ تک پہنچائی ہے، مگر عمادی صاحب جمع احادیث کا مقصد یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ منافقینِ عجم کی سازش کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ :۔

> "اور منافقینِ عجم نے اپنے مقاصد کے ماتحت جمع احادیث کا کام شروع کرنا چاہا تو انہیں منافقینِ عجم کے آمادہ کرنے سے اس وقت خود ابنِ شہاب کو خیال ہوا کہ ہم حدیثیں جمع کرنا شروع کر دیں تو یہ مدینہ پہنچے اور کوفہ بھی، اور مختلف مقامات سے حدیثیں حاصل کیں اور پھر بیسیوں راویوں کے ساتھ رب۔"
>
> (بلفظہٖ طلوع اسلام ماہ ستمبر ۱۹۵۰ء صـ۴۸)

اور نیز وہ لکھتے ہیں کہ :۔

> "انہیں منافقینِ عجم کی ایک جماعت نے اپنا رسوخ فی الدین

اور ظاہری زہد و تقویٰ دکھا کر ابن شہاب زہریؒ کو جمع احادیث پر آمادہ کیا۔ یہ اپنے تجارتی و زراعتی کاروبار کی وجہ سے اپنے وطن مقام ایلہ میں رہا کرتے تھے۔ مگر ایک بہت بڑی دینی خدمت سمجھ کر اس مہم پر آمادہ ہو گئے اور ۱۰۱ھ کے بعد مدینہ آکر یہاں کے لوگوں سے حدیثیں لیں اور پھر کوفہ، بصرہ اور مصر وغیرہ مقامات سے بھی روایتیں حاصل کیں اور ہر راہ چلنے سے جو حدیث بھی مل جاتی، لکھ لیتے اور یاد کر لیتے۔ اور وہی منافقین خود بھی پھر اُن کے پاس آ آکر حدیثیں لکھوانے لگے اور دوسرے وضاعین کذابین کو اُن کے پاس بھیج بھیج کر اُن سے بھی حدیثیں اُن کے پاس جمع کرانے لگے۔"

(طلوع اسلام ص۵۴، ماہ ستمبر ۱۹۵۰ء)

اور امام زہریؒ کے متعلق کئی صفحات اس پر سیاہ کر دیے ہیں کہ وہ عربی نہ تھے بلکہ عجمی تھے، کیونکہ نہ تو شہاب نامی کوئی آدمی ان کے اکابر میں تھا اور نہ ہی زہری کا خاندان قریشی تھا۔ بلکہ وہ ایلہ میں رہتے تھے جو شام کے قریب بحر قلزم کے ساحل پر واقع ہے اور اُن کی قبر زار میں ہے جو نواحی سمرقند میں ہے۔ آگے خود اُن کے الفاظ میں سنیئے:۔

"غرض نہ مدینہ طیبہ کبھی اُن کا یا اُن کے آباء و اجداد کا وطن رہا نہ انہوں نے وہاں وفات پائی اور نہ ہی وہاں دفن ہوئے۔"

(بلفظہٖ طلوع اسلام ص۴۸ ستمبر ۱۹۵۰ء)

اور پھر آگے لکھا ہے کہ:۔

"کیونکہ ۱۰۱ھ سے پہلے تحصیل احادیث کے لیے تگ و دو شہر شہر اور قریہ قریہ کی دوڑ کا دستور نہ تھا نہ کسی کو اس کی ضرورت محسوس

ہوئی تھی منافقین عجم کے قال رسول اللہ، قال رسول اللہ صلعم
کے مفسدانہ شور سے اہل حق کے کان بھر گئے تھے اور کتنوں نے
بر سبیل تذکرہ بھی روایت حدیث ترک کر دی تھی۔ جیسا کہ حضرت
عبداللہؓ بن عباسؓ کا واقعہ کشف اللسان صفحہ ۱۴ میں مذکور ہوا ہے۔
(تمناؔ صاحب بجائے تنکوں کا سہارا لینے کے صحاح ستہ ہی میں
دیکھ لیتے کہ حضرت ابن عباسؓ حدیث کے پر زور روایت
کرنے والوں میں تھے یا ترک کرنے والوں میں۔ صفدرؔ) غرض جب
سنہ ۱۰۱ھ سے پہلے حدیثیں لوگوں سے سنیں تو ان میں زیادہ تر وہی
حدیثیں ہوں گی جن کو انہوں نے منافقین عجم ہی سے سنا ہو گا چاہے
وہ ان کا نام لیں یا نہ لیں۔" (طلوع اسلام صفحہ ۱۰ ستمبر ۱۹۵۰ء)

یہ ہیں وہ علمی جواہر پارے جو تمناؔ عمادی صاحب نے صفحۂ قرطاس پر ثبت
فرمائے ہیں اور طلوع اسلام نے ان کے یہ لعل و گوہر اہل علم کی ضیافت طبع کے
لیے پیش کئے ہیں اور جن پر منکرین حدیث کو بڑا ناز ہے کہ ہمارے محقق نے
حدیث کی بنیادیں ہی کھوکھلی کر کے رکھ دی ہیں۔ اب ہم عوام کو یہ سمجھانے
کے قابل ہیں کہ واقعی حدیث کا پس منظر اور پیش منظر سراسر سراب ہے۔ لیکن ایک
سمجھ دار اور منصف مزاج آدمی جس کے دل میں خوف خدا اور فکر آخرت کے ساتھ
اسلام اور اسلامی تاریخ سے کچھ بھی لگاؤ ہے وہ بھلا ان بے معنی باتوں اور لایعنی
دلیلوں سے کب متاثر ہو سکتا ہے۔ وہ تو صرف یہ کہہ کر مسکرا دے گا کہ ظُلُمٰتٌ
بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ کا صحیح نفس الامری اور خارجی مصداق ہے۔

تدوین حدیث

اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی موجودگی میں بعض صحابہ کرامؓ آپ کی

احادیث کو قید کتابت میں لاکر قلمبند کرتے تھے اور متعدد صحیح اور ٹھوس دلائل اس کے ثبوت پر موجود ہیں لیکن صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت ایسی بھی تھی جو آپ کی حدیثوں کو زبانی یاد کیا کرتی تھی اور چاہتی تھی کہ اسی طرح ان سے لوگ بھی احادیث کو حفظ یاد کریں۔ یہی طریقہ بعض تابعینؒ میں رائج تھا لیکن جب لوگوں کی ہمتوں میں کمی اور ان کے جذبہ میں کوتاہی کا سلسلہ شروع ہوا اور ائمہ اسلام کو اس کا خطرہ لاحق ہوا کہ کہیں یہ نعمتِ وافرہ اور دولتِ عظمٰی ضائع ہی نہ ہو جائے تو انہوں نے احادیث کو لکھ کر محفوظ رکھنے کا طریقہ ہی بہتر سمجھا اور حقیقت بھی یہ ہے کہ پہلے ہر مسلمان اعتقاداً وعملاً، قولاً وفعلاً، عادۃً وسیاستہً ایک مجسمہ سنّت ہوتا تھا اور حدیث کے باقی رکھنے کا سب سے عمدہ طریقہ ان کے نزدیک عمل کے علاوہ حفظ بھی تھا چنانچہ انہوں نے انتہائی ذوق وشوق کے ساتھ حدیثیں یاد کیں اور پھر وہ دوسروں کو یاد کرائیں اور وہ لکھنے کو اس لیے پسند نہیں کرتے تھے کہ اس طریق پر لوگ محض کتابت پر آسرا کر کے حفظ جیسی ضروری چیز سے کہیں غافل ہی نہ ہو جائیں۔

اگر محض کتابی شکل میں کسی چیز کا مرتب اور مدوّن ہونا ہی اس کی حفاظت کا کافی ذریعہ سمجھا جائے تو اس دور میں جب کہ قرآن کریم کی عمدہ سے عمدہ کتابت اور شیرازہ بندی کی جاتی ہے، لوگ عمر کا بہترین حصّہ صرف کر کے اس کے یاد کرنے اس کو بار بار دُہرانے اور دَور کرنے اور ایک دوسرے کو سُنانے اور سُننے کی زحمت گوارا نہ کرتے اور نہ یہ عبث کام ان سے سرزد ہوتا (العیاذ باللہ) اور اگر صرف کتابوں پر ہی اعتماد اور بھروسہ کافی سمجھا جا سکتا تو مختلف علوم وفنون میں مضامین نوک زبانی یاد کرنے ضروری نہ قرار دیے جاتے مگر سبھی جانتے ہیں کہ کتابوں کے علاوہ ان کے چیدہ چیدہ اور اہم مضامین نوک زبانی یاد کرنے بھی ہر ملک میں ضروری سمجھے جاتے ہیں اور کوئی احمق بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ) اپنی مشہور تالیف میں لکھتے ہیں کہ:

قال العلماء كره جماعة من الصحابة والتابعين كتابة الحديث واستحبوا ان يؤخذ عنهم حفظاً كما اخذوا حفظاً لكن لما قصرت الهمم خشي الائمة ضياع العلم دوّنوه واوّل من دون الحديث ابن شهاب الزهري على رأس المائة بامر عمر بن عبد العزيز ثم كثر التدوين ثم التصنيف وحصل بذالك خير كثير فلله الحمد

(فتح الباری ج ۱ ص ۱۶۸ طبع مصر)

علماء فرماتے ہیں کہ صحابۂ کرامؓ اور تابعین رح کی ایک جماعت اس کو پسند نہیں کرتی تھی کہ حدیث کی کتابت کی جائے، وہ اس کو پسند کرتی تھی کہ حدیثیں زبانی یاد کی جائیں جیسے کہ خود انہوں نے زبانی یاد کی ہیں لیکن جب لوگوں کی ہمتیں کم ہوگئیں اور آئمہ دین کو یہ خوف محسوس ہوا کہ کہیں یہ علم ضائع ہی نہ ہو جائے تو انہوں نے اسکو مدوّن کردیا اور سب سے پہلے اس کی تدوین ۱۰۰ھ میں محمد بن مسلم بن شہاب الزہریؒ نے کی، جن کو (خلیفہ راشد حضرت) عمر بن عبد العزیزؒ نے حکم دیا تھا۔ پھر تدوین و تصنیف عام ہوگئی اور بحمد اللہ تعالیٰ اس سے بہت ہی فائدہ حاصل ہوا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابۂ کرامؓ کا یہ گروہ بھی جو کہ کتابتِ حدیث کو پسند نہ کرتا تھا، حدیث کا ہرگز منکر نہ تھا بلکہ وہ حدیث کو حجت سمجھتے ہوئے، اس کا خواہاں تھا کہ جیسے ہم نے حدیثیں زبانی یاد کی ہیں۔ اسی طرح لوگ بھی ہم سے زبانی یاد کریں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تدوین حدیث کی تحریک محض انفرادی ہی نہ تھی اور نہ رضا کارانہ طور پر تھی اور نہ محض دینی تفوق اور برتری حاصل کرنے کے لیے تھی۔ جیسا کہ بعض غلط کار لوگوں نے بلا وجہ یہ سمجھ رکھا ہے۔ بلکہ یہ تدوینِ حدیث خلیفۂ راشد حضرت عمر بن عبد العزیزؒ المتوفی ۱۰۱ھ کے حکم سے سرکاری طور پر ہوئی تھی۔ بنا بریں جناب پرویز صاحب کا یہ لکھنا کہ :-

"لہذا رسول اللہ کے بعد خلافتِ راشدہ میں بھی جمع و تدوینِ حدیث
کے متعلق کوئی اقدام نہیں کیا گیا" (بلفظہٖ مقامِ حدیث جلد ا ص ۴۸)

تاریخی طور پہ ایک سفید جھوٹ اور صریح بہتان ہے اور پرویز صاحب
کی تاریخ دانی، بصیرتِ دینی اور انصاف و دیانت پر کلنک کا ایک نہایت
ہی بدنما داغ ہے جو اس دورِ تہذیب و تمدّن کے تیار کردہ کسی پوڈر سے بھی کبھی
نہ دھل سکے۔ اور حقائق ثابتہ سے یہ بے سند انکار بھلا سنتا بھی کون ہے؟

۴۔ ابن شہاب زہریؒ

علامہ ذہبیؒ (المتوفی ۷۴۸ھ) ان کا ترجمہ یوں قائم کرتے ہیں:۔

"الزهري اعلم الحفاظ۔ ابوبكر محمد بن مسلم بن عبيد الله
بن شهاب بن عبد الله بن الحارث بن زهرة بن كلاب القرشي الزهري
المدني الامام (تذكرة الحفاظ ج ۱ ص ۱۰۲)

اور حافظ ابن حجرؒ الحارث کے بعد ان کا نسب نامہ یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

"الحارث بن زهره بن كلاب بن مرّة القرشي الزهري الفقيه
ابوبكر الحافظ المدني احد الائمة الاعلام و عالم الحجاز والشام" اھ

(تهذيب جلد ۹، ص ۴۴۵)

مشہور لغوی علامہ جمال القرشیؒ زہرہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

وی از قریش و ایں نام زن کلاب بن مرّۃ است نسبت ولدہ الیہا و ہم اخوال النبی علیہ السلام (صراح ص ۱۷۹)	زہرہ قریش کے ایک قبیلہ کا نام ہے اور زہرہ دراصل کلاب بن مرّہ کی بیوی کا نام تھا جس کی طرف اسکی اولاد منسوب کی گئی۔ اور یہ قبیلہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ماموؤں کا ہے۔

امام ابن شہاب زہریؒ کی ثقاہت و عدالت، حفظ و اتقان، جلالت اور

تفوّق پر تمام اہل السنت والجماعت متفق ہیں۔ یہی وہ بزرگ ہیں جن کو خلیفۂ راشد حضرت عمرؒ بن عبدالعزیزؒ کی طرف سے تدوین حدیث کا فریضہ سپرد ہوا ہے جو انہوں نے نہایت کوشش اور کاوش اور پوری دیانت داری سے انجام دے کر تمام امّت مرحومہ سے داد تحسین حاصل کی ہے۔ اور جو تمام محدثین کرامؒ اور فقہاء عظامؒ کے ہاں مسلّم اور معتبر شخصّیت کے مالک تھے۔ ان کے آباء میں شہاب نامی شخص تھا اور وہ خود الزہری المدنی القرشی بھی تھے۔ ان تمام امور کو ذہن نشین کرتے ہوئے آپ تمنّا عمادی صاحب کی بے تکیاں اور دور از کار موشگافیاں بھی ملاحظہ کریں جو درحقیقت اس کا مصداق ہیں کہ ؎

بک رہا ہوں جنوں میں کیا کیا
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

کہ نہ تو ان کو امام زہریؒ کے اکابر میں شہاب نظر آسکا ہے اور نہ القرشی اور المدنی کی واضح تر نسبتوں پر ان کی نگاہ جم سکی ہے۔ اور ملاحظہ کیجیے کہ عمادی صاحب کس طرح شملہ پہاڑی کی طرح خودساختہ اور خود تراشیدہ گھاٹیاں بنا بنا کر ان پر چڑھتے ہیں، مگر قدرتی اور تاریخی گھاٹیوں کے قریب نہیں پھٹکتے۔ یہ ہیں منکرین حدیث کے ناقد رجال اور عالم طبقات۔ فوا اسفا۔

یہ یاد رہے کہ یہ وہی تمنّا صاحب ہیں کہ جو یہ لکھتے ہیں کہ:۔

"فنِ رجال کی کوئی گھاٹی غالباً مجھ سے چھوٹی نہیں ہے۔"

(مقام حدیث جلد دوم ص۳۸۰)

دیکھا آپ نے کہ علاّمہ ذہبیؒ اور حافظ الدین ابن حجرؒ وغیر مسلّم ناقدین رجال اور واقفین طبقات رواۃ کی گھاٹیوں سے تمنّا صاحب کی کس طرح نظر چوک گئی ہے۔

۴۔ سفید جھوٹ :۔

تمنا صاحب لکھتے ہیں کہ مثلہ معہ والی حدیث موضوع و مکذوب صحاح ستہ کی کسی کتاب میں نہیں ہے"۔ (مقام حدیث، جلد دوم، صفحہ ۴۶۲)

جو شخص حدیث کے ذخیرہ کو تسلیم نہیں کرتا یا سب کو موضوع اور مکذوب اور منافقینِ عجم کی سازش کا نتیجہ قرار دیتا ہے تو اس کو اپنے اس خود ساختہ قاعدہ کے تحت اس حدیث کو بھی موضوع اور مکذوب ہی کہنا چاہیئے۔ بحث اس سے نہیں ہے۔ اور نہ ہم اس حصہ میں اس موقع پر ان پر کوئی گرفت کرتے ہیں بحث صرف اس سے ہے کہ وہ لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحاح ستہ کی کسی کتاب میں نہیں ہے۔ حالانکہ الا وانی اُوتیت الکتاب ومثلہ معہ، الخ صحاح ستہ کی مرکزی کتاب ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۷۶ میں موجود ہے۔

۵۔ مسند احمد

تمام محدثین اور مورخین اس امر پر متفق ہیں کہ مسند امام احمدؒ بن حنبلؒ خود انہیں کی تصنیف ہے، جس میں بقول ابنِ خلدونؒ (المتوفی ۸۰۸ھ) پچاس ہزار حدیثیں ہیں۔ چونکہ امام موصوف حدیث، فقہ اور دیگر تمام علوم میں یکتائے روزگار تھے نیز مسئلہ خلقِ قرآن میں یکے بعد دیگرے تین حکومتوں کی طرف سے کم و بیش اکیس سال ظلم و ستم بھی اٹھاتے رہے اور بسا اوقات یہاں تک اُن کو لہولہان کیا گیا کہ سارا بدن ہی خون آلود ہو گیا۔ مگر اسی حالت میں وہ باقاعدہ نماز پڑھتے رہے۔ اس وجہ سے بھی لوگوں میں ان کی ذات اور ان کی تالیف کی قدر و منزلت اور بڑھ گئی۔ لیکن تمنا صاحب یوں ارقام کرتے ہیں کہ :۔

"بخلاف مسند امام احمد کے یہ ایک خالص اجتماعی سازش کے ماتحت جمع کی گئی اور اس کے جامعین کی غرض ہی یہی تھی کہ اس کو جس طرح بھی ہو،

خاص امام احمدؒ کی تالیف ثابت کر کے رہیں اور اس کا اہتمام امام احمدؒ کی وفات کے کچھ بعد ہی سے نہیں بلکہ عجب کیا ہے کہ ان کی گوشہ نشینی کے وقت ہی سے اس کی تالیفی داغ بیل دی گئی ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔" (بلفظہٖ طلوع اسلام ص۱۱، ۶ اگست ۱۹۵۵ء مضمون مسند امام احمدؒ بن حنبلؒ)

یہ ہے مسند امام احمدؒ بن حنبلؒ کی حیثیت اور پوزیشن کو ختم کرنے کی وہ لاجواب دلیل اور برہان، جو منکرین حدیث کے مرد آہنی اور فولادی نے پیش کی ہے۔ جن سے اسماء الرجال اور تحقیق کی غالباً کوئی گھاٹی نہیں چھوٹی۔ اگر منکرین حدیث کے بڑوں کا یہ عالم رہا تو ؎

کارِ طفلاں تمام خواہد شد

۶۔ تفسیر ابنِ جریرؒ

تمام ائمہ اہل السنت والجماعت اور محدثین کا اس پر کلی اتفاق ہے کہ تمام تفسیروں میں امام ابن جریر طبریؒ کی تفسیر درجہ اوّل میں صحیح اور معتبر ہے اور وہ بہت بڑے پایہ کے محدث، مفسر اور امام تھے۔ چنانچہ امام خطیب رح لکھتے ہیں کہ" وہ اَحَدُ الائمۃ العلماء تھے اور ان کی رائے پر فیصلے طے ہوتے تھے۔" (البغدادی ج۲۔ ص۱۶۳)

علامہ ذہبیؒ اُن کو الامام العلم المفرد الحافظ احد الاعلام اور صاحب تصانیف کثیرہ لکھتے ہیں۔ اور نقل کرتے ہیں کہ" وہ بڑی معرفت اور فضیلت کے مالک تھے۔ تمام علوم میں وہ اپنے معاصرین پر فائق تھے۔ اقوال صحابہؓ و تابعینؒ کے جاننے میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔" نیز لکھتے ہیں کہ" تفسیر ابنِ جریر جیسی کوئی تفسیر آج تک نہیں لکھی گئی۔" (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲، ص۲۵۱)

شیخ الاسلام ابنِ تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ" تمام تفسیروں میں صحیح ترین اور قابل اعتبار

تفسیر محمد بن جریر طبریؒ کی ہے۔ کیونکہ وہ صحیح اور ثابت اسانید کے ساتھ سلف صالحین کے اقوال نقل کرتے ہیں اقوال بھی ایسے نقل کرتے ہیں جن میں بدعت کی مطلقاً بو نہیں ہوتی" (فتاوی ابن تیمیہؒ ج ۲ ص ۱۹۲) نیز وہ تصریح کرتے ہیں کہ "تمام تفاسیر میں سے ابن جریرؒ کی تفسیر ہی صحیح ترین تفسیر ہے" (فتاوی ج ۲ ص ۱۹۴)

ابو حامد اسفرائنیؒ کہتے تھے کہ "اگر کوئی شخص ملکِ چین کا سفر محض اس لیے اختیار کرے کہ وہاں سے تفسیر ابن جریر حاصل کر کے لائے گا تو یہ سفر اس کے لیے کوئی مہنگا نہ ہوگا"۔

امام الائمہ ابن خزیمہؒ فرماتے ہیں کہ "مجھے سطح زمین پر کوئی ایسا شخص معلوم نہیں جو (فنِ تفسیر میں) ابن جریرؒ سے بڑا عالم ہو"۔

حافظ ابن القیمؒ ان کو فقہ، تفسیر، حدیث، تاریخ، لغت اور نحو وغیرہ کا امام لکھتے ہیں۔ (اجتماع جیوش الاسلامیۃ علی غزو المعطلۃ والجہمیۃ ص ۴۷ لابن القیمؒ)

نواب صدیق حسن خان صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

اجمعت الامۃ علی انہ لم یصنف مثل تفسیر الطبریؒ (اکسیر ص ۵۵)	تمام امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ تفسیر ابن جریر جیسی کوئی اور تفسیر تصنیف نہیں کی گئی۔

ان تمام اقتباسات سے امام ابن جریرؒ کی شخصیت اور ان کی تفسیر کا رتبہ اور درجہ باآسانی ایک منصف مزاج آدمی سمجھ سکتا ہے، یہ یاد رہے کہ اہل السنت والجماعت کے یہ مفسر محمد بن جریر بن یزید بن کثیر بن غالب ابو جعفر الطبریؒ (المتوفی ۳۱۰ھ) ہیں جن کے اساتذہ میں محمد بن عبد الملک بن ابی الشوارب، اسحاق بن ابی اسرائیل، احمد بن منیع البغوی، محمد بن حمید الرازی، ابو ہمام الولید بن شجاع، ابو کریب محمد بن العلاء، یعقوب بن ابراہیم الدورقی، ابو سعید الاشج، عمرو بن علی، محمد بن بشار اور محمد بن المثنی وغیرہ خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں اور ان کے تلامذہ میں سے احمد بن

کامل القاضیؒ، محمدؒ بن عبداللہ الشافعیؒ اور مخلدؒ بن جعفرؒ وغیرہ مشہور ہیں (تاریخ بغدادی ج۲ ص۱۶۲)

علامہ ذہبیؒ ان کے شاگردوں میں ابوالقاسم الطبرانیؒ، عبدالغفار الحضینیؒ اور ابو عمروؒ بن حمدانؒ وغیرہ کا تذکرہ بھی کرتے ہیں (تذکرۃ الحفاظ جلد۲ ص۲۵۱)

امام ابن جریرؒ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں جن میں تفسیر معروف تاریخ الامم و الملوک، کتاب العدد والتنزیل، کتاب اختلاف العلماء اور کتاب تہذیب الآثار وغیرہ مشہور ہیں (ملاحظہ ہو تذکرہ، ج۲ ص۲۵۳) اور اسی نام، ولدیت اور کنیت کے، ایک شیعہ مفسّر بھی ہیں۔ اُن کا نسب نامہ یوں ہے:۔

"محمد بن جریر بن رستم ابُو جعفر الطبری وہ رافضی تھے۔ انہوں نے بھی بہت سی کتابیں لکھی ہیں، جن میں "کتاب الرواۃ عن اھل البیت" بھی ہے۔ جن کے اساتذہ میں ابُو عثمان المازنی اور شاگردوں میں ابُو محمد الحسن بن حمزہ الرعینی اور ابوالفرج الاصبہانی وغیرہ قابلِ ذکر ہیں" (دیکھئے لسان المیزان ج۵ ص۱۰۳)

الغرض ایک کے دادا یزید اور دوسرے کے رستم۔ ایک کے استاد اور، اور دوسرے کے اور۔ ایک کے شاگرد جُدا اور دوسرے کے جدا۔ ایک کی تالیفات الگ اور دوسرے کی الگ، ایک سُنّی اور دوسرا رافضی، ایک معتبر اور دوسرا غیر معتبر، پھر یہ دونوں محض نام ولدیت، کنیت اور زمانہ وطن کے اتفاق سے کیسے ایک ہو گئے؟

علماءِ اہل السُنّت تو محمد بن جریرؒ دو ہی تسلیم کرتے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود علماء شیعہ بھی ان کو دو ہی تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ شیعہ کی مشہور کتاب تتمۃ المنتہیٰ میں مذکور ہے کہ:۔

"در ۲۶ شوال سنہ ۳۱۰ھ مؤرخ خبیر و محدّث بصیر محمد بن جریر بن کثیر طبری شافعی در بغداد وفات یافت وآں یکے از ائمہ مجتہدین اہل السنّت و صاحبِ تفسیر کبیر و تاریخ شہیر است الیٰ ان قال وھو غیر محمد بن رستم الطبری

الامامی صاحب المسترشد والایضاح وغیرھما" (تتمۃ المنتھٰی ص۲۴۱)

اور اسی کے قریب شیعہ کے اسماء الرجال کی مستند کتاب تنقیح منتھی المقال جلد ۲ ص ۹۱ میں ہے اور قاضی نور اللہ صاحب شوستری لکھتے ہیں کہ:-

"الشیخ المتکلم ابوجعفر محمد بن جریر رستم الطبری الآملی، علامہ حلّی در قسم مقبولاں از کتاب خود او را مذکور ساختہ و گفتہ کہ او یکے از بزرگان اصحاب ما است و کثیر العلم و حسن الکلام و ثقہ در حدیث بودہ و او غیر محمد بن جریر طبری صاحب تاریخ مشہور است۔ چنانچہ علامہ حلّی نیز در قسم مردودین از کتاب خلاصہ بآں تصریح نمودہ زیرا کہ صاحب تاریخ مشہور از علماء شافعیہ است" اھ

(مجالس المومنین ص۲۰۵ طبع ایران)

غور کیا آپ نے کہ خود شیعہ علماء ہی محمد بن جریر نامی دو شخصیتوں کے قائل ہیں اور تصریح کرتے ہیں کہ ایک سُنّی ہیں اور دوسرے شیعہ، ایک شافعی المسلک ہیں اور دوسرے امامی۔ ایک مقبولین کی فہرست میں ہیں اور دوسرے مردودین کی مد میں۔ ایک محدّث اور مؤرّخ مشہور ہیں اور دوسرے متکلّم وغیرہ مگر تعجب ہے کہ عمادی صاحب کے نزدیک آکر دونوں ایک ہو جاتے ہیں۔ بقول کسے ؎

تا کس نگوید بعد ازاں مَن دیگرم تو دیگرے

لیکن چونکہ منکرین حدیث جب تک تفسیر ابن جریر کی بھاری چٹان کو راستہ سے نہ ہٹا دیں، قرآن کریم کی من مانی تفسیر نہیں کر سکتے، اس لیے انہوں نے اس کا بھی انکار کر دیا کہ ابن جریر سُنّی ہوں۔ چنانچہ تمنّا صاحب نے ابوجعفر محمد بن جریر الطبریؒ کا ایک مستقل عنوان قائم کر کے سب سے پہلے اور سب سے بڑے مفسّر کی سُرخی دی ہے اور پھر سُنّی اور رافضی ابن جریر کو محض اپنی کرامت سے گڈمڈ کر کے مداری کی طرح ایک ثابت کرنے کی بیجا کوشش کی ہے۔ اور راستہ میں

چلتے چلتے علامہ ذہبیؒ اور حافظ ابن حجرؒ سے لڑنے بھڑنے پر آمادہ ہو گئے ہیں کہ وہ ان کو کیوں دو بتلا رہے ہیں اور ان کو ایک ہی کیوں نہیں کہتے ۔ اور حافظ احمد بن علی کی ٹانگوں پر سوار ہو کر یہ ادھار کھائے بیٹھے ہیں کہ اُن کو رافضی ہی ثابت کیا جائے اور حافظ ابن حجرؒ کے فیہ تشیّع یسیر کے الفاظ سے کچھ ایسے بدکے ہیں كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ فَرَّتْ مِنْ قَسْوَرَةٍ ۔

طلوعِ اسلام نے جب تمنّا صاحب کا یہ مضمون دیکھا تو قول مشہور کے مواقف کہ " اندھے کو کیا چاہیئے ، دو آنکھیں " پھولے نہ سمائے اور یوں ضمیر کی کہہ ڈالی کہ :-

" علامہ تمنّا نے اپنے اس مضمون میں یہ ثابت کیا ہے کہ امام ابن جریر طبری درحقیقت شیعہ تھے ۔ اگر یہ شیعہ تھے تو آپ خود ہی سمجھ لیجئے کہ اہلِ سنّت والجماعت جس تفسیر اور جس تاریخ کو اتنا معتبر سمجھتے ہیں ۔ اس کی حقیقت کیا رہ جاتی ہے ۔ اور اس بنیاد پر اٹھی ہوئی عمارتیں کس درجہ قابلِ اعتماد ہو سکتی ہیں ؟

(بلفظہٖ طلوعِ اسلام ص ۱۱ مئی ۱۹۵۵ء)

یہ ہے تفسیر ابن جریرؒ کو نامعتبر اور غیر قابلِ اعتبار ٹھہرانے کی غرض و غایت ، کاش کہ صرف اسی پر اکتفاء کی جاتی کہ تفسیر ابن جریرؒ ہی غیر معتبر ہے مگر منکرین حدیث اپنے راستہ کے ایک ایک کانٹے کو اٹھا کر پھینکنے کے درپے ہیں تاکہ ان کے راستے میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ ہی باقی نہ رہے ، چنانچہ تفاسیر کے بعد جب تراجم کی باری آتی ہے تو ان کے بارے میں طلوعِ اسلام کی طرف سے یوں لب کشائی کی جاتی ہے کہ :-

" تفسیروں کے بعد جب ترجموں کی باری آئی تو ان میں اسی مفہوم کو پیشِ نظر رکھا گیا جو تفسیر میں بیان ہوا تھا ۔ لہٰذا ہمارے ترجمے قرآنی الفاظ کے ترجمے نہیں بلکہ

قرآن کے اس مفہوم کے مظاہر ہیں جو ہماری تفسیروں میں بیان ہوا ہے۔ چونکہ یہ تفسیریں مصر اور بخارا، شام اور ہندوستان، عرب و عجم، ہر جگہ درس میں پڑھائی جاتی ہیں، اس لیے قرآن کا ترجمہ خواہ وہ فارسی میں ہو یا ترکی میں اردو میں ہو یا عربی میں، ہر جگہ کم و بیش ایک جیسا ہوتا ہے۔ اب جو غلطی ایک میں پائی جائے گی وہ دوسروں میں بھی پائی جائے گی۔" الخ (طلوع اسلام ص ۱۳، ۲۳ جولائی ۱۹۵۵ء)

الحاصل منکرین حدیث کی خود ساختہ منطق کی رو سے نہ حدیث کا وجود ہے نہ تفسیر کا اور نہ کسی زبان کا کوئی ترجمہ ہی صحیح ہے۔ ہاں اگر کوئی چیز صحیح ہے تو ان کا اپنا قرآنی زاویۂ نگاہ۔ میری دعوت اور میری قرآنی بصیرت، باقی سب اس قابل ہیں کہ اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

یہ ہے وہ مختصر سا مدعیٰ، جس کے لیے منکرین حدیث دُور دراز کے لاطائل مقدمات اور تمہیدات پیش کرتے ہیں ع

تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

یہی وجہ ہے کہ قدیماً و حدیثاً جس نے بھی کسی وقت کُلاً یا بعضاً حدیث کے بارے میں کچھ شکوک اور شبہات پیش کیے ہیں، طلوع اسلام اس خدمت کا واحد ٹھیکیدار ہے کہ ان کو علامہ عالم، متبحر اور خدا معلوم کیا کیا خطابات دے کر ان کے مضامین شائع کر کر کے عام مسلمانوں کو یہ باور کرانے کے درپے ہے کہ اس میدان میں ہم متفرد نہیں بلکہ ہمارے ساتھ یہ اور یہ حضرات بھی اس نظریہ میں متفق ہیں۔ اور جن حضرات نے اصول حدیث کے عین مطابق اگر کسی روایت پر اپنی دانست کے مطابق کوئی علمی اور فنی تنقید کی یا اس میں کچھ کلام کیا ہے تو طلوع اسلام کے نزدیک وہ بھی ان کی پارٹی کے رکن ہیں۔ اگرچہ ان کی تمام زندگی ہی حدیث کی نشر و اشاعت اور اس سے فقہی مسائل استنباط کر کے اُمّت مرحومہ کے لیے

سہولت پیدا کرنے کے لیے ہی کیوں نہ گزر چکی ہو۔ جیسے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ وغیرہ۔ اور اس طرح وہ ایک ایک تنکا چُن چُن کر ان تنکوں کا پُل بناتا ہے اور اس پر انکارِ حدیث کی گاڑی کو گزارنا چاہتا ہے۔ اس کے برعکس مسّلم علماء اور مفتیان کرام کی بعض ذاتی اور عملی کوتاہیوں کو نمایاں طور پر چھاپ چھاپ کر وہ لوگوں کو ان سے محض اِس لیے بدظن کرتا ہے کہ لوگوں میں یہی لوگ باوجود انسانی کمزوریوں کے دین کے محافظ سمجھے جاتے ہیں اور جب عوام میں ان کی ساکھ نہ رہے گی تو ان کے پیش کردہ دین اور حدیث کی کیا وقعت باقی رہ سکتی ہے؟ اور جب ان کو چمنِ دین کی باغبانی سے الگ کر دیا گیا تو پھر ان پر کیا اعتماد اور بھروسہ کیا جا سکتا ہے؟ بقول اکمل ؎

حریمِ گُل کا بہاروں میں اب خدا حافظ
جو رازِ دارِ چمن تھا وہ باغبان نہ رہا

طلوعِ اسلام

اس وقت جو جرائد اور رسالے بلا استثناء تمام احادیث کو ظنّی اور قیاسی قرار دینے اور اُن کا وجود ہی صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے درپے ہیں، اُن میں طلوعِ اسلام پیش پیش ہے۔ اس نے حدیث کو رد کرنے کے لیے وہ تمام ہتھیار اور اوزار اختیار کر رکھے ہیں جو کسی وقت عیسائی، رافضی، معتزلہ خارجی اور ایسے ہی دیگر باطل اور گمراہ فرقے اختیار کر چکے ہیں۔ مواد تو تمام ان کا جمع کردہ ہے ہاں البتہ تعبیر ان کی اپنی ہے۔ جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ؎

انہیں کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات اُنکی
انہیں کی محفل سنوارتا ہوں چراغ میرا ہے رات اُن کی

ا۔ طلوعِ اسلام کا اسلام

اس میں کوئی شک نہیں کہ دین قوم کے بگاڑ کا ایک بڑا سبب علماءِ سوء کی نفسانیت، پیران بدکردار کی خواہشات اور سلاطین ناہنجار کی بے راہ روی بھی ہے اور ہر دور اور ہر زمانہ میں ان سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچتا رہا ہے مگر بایں ہمہ علماءِ کرام میں خدا خوف، نیک سرشت، با اخلاق، حسن کردار اور صحیح معنیٰ میں اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ اور سچے خادم بھی رہے ہیں اور بحمداللہ اب بھی موجود ہیں۔ ان میں سے بعض کی عملی زندگی خواہ کتنی ہی پست کیوں نہ ہو اور اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے بالکل بجا ہے، مگر توحید و رسالت، برزخ و معاد، عقائد و اعمال، اخلاق و معاملات، اوامر و نواہی، نماز اور روزہ، حج اور زکوٰۃ، قربانی اور صدقۂ فطر، نکاح و طلاق، بیع اور اجارہ، حلال اور حرام وغیرہ وغیرہ احکام و مسائل اور اسی طرح اصول اور فروعِ اسلام کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں صحیح کہتے ہیں۔ مگر ایک فرقہ نہ سہی تو دوسرا، ایک طائفہ اگر یہ حق نہیں ادا کرتا تو دوسرا ایک گروہ سے اغماض کیجئے تو دوسرا، ایک ملک کو نظر انداز کر لیجئے تو دوسرا الغرض قدر مشترک کے طور پر اسلام انہیں میں دائر ہے۔ اور وہ جو کہتے ہیں، درست اور بجا کہتے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض کرتے کچھ اور کہتے کچھ ہیں مگر زبان زد خلائق ہے کہ مولوی جو کہے وہ کرو، اور جو کرے وہ نہ کرو۔ یعنی اس کا عمل اگرچہ غلط ہو مگر اس کا قول اور پیش کردہ اسلام تو بہر حال اور بہر کیف ٹھیک ہے اور مشہور ہے کہ ؎

زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو

مگر طلوعِ اسلام کا فیصلہ اِس کے بالکل برعکس ہے۔ وہ بلا امتیاز ملک و وطن، بلا تفریق فرقہ و مذہب، بدوں لحاظ علماءِ حق اور علماءِ سوءِ علماءِ کرام کے پیش کردہ اسلام کو غیر اسلام کہتا ہے۔ چنانچہ طلوعِ اسلام بڑی بے باکی سے یہ لکھتا ہے کہ :-

" جو کچھ اس وقت اسلام کے نام سے رائج ہے، وہ اِسلام نہیں ہے اور جو حقیقی اسلام ہے اسے وہ لوگ کبھی اِسلام کہہ کر پکارنے نہیں دینگے جو مروّجہ اسلام کے علمبردار ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم شروع سے کہتے چلے آ رہے ہیں کہ جب تک مُلّا اسلام کا ترجمان سمجھا جائے گا صحیح اسلام کا مفہوم کبھی متعین نہیں ہو سکے گا۔ اس لیے کہ مُلّا ایک خاص نہج کو اسلام سمجھے بیٹھا ہے۔ وہ کسی صُورت میں اسے چھوڑ کر کسی اور مفہوم کو اسلام تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہو سکتا اِس میں نہ کسی فرقے کی تخصیص ہے نہ کسی جماعت کی۔ نہ کسی ملک کی نہ کسی زبان کی۔ مُلّا جہاں بھی ہے وہ اس اسلام کا وارث اور محافظ ہے، جو اسلام نہیں ہے۔ لہٰذا اس سے یہ توقع رکھنا کہ وہ صحیح اسلام کا مفہوم متعیّن کر دے گا حماقت ہے۔ مُلّا کا اِسلام اشخاص تک جا کر رُک جاتا ہے، خدا تک نہیں پہنچتا۔ اور حقیقی اسلام وہ تھا جسے خدا نے نازل کیا تھا۔ آپ جب تک مُلّا کے اِسلام کے دائرے میں پھرتے رہیں گے۔ اِسلام کا واضح مفہوم کبھی آپ کے سامنے نہیں آئے گا۔"

(طلوعِ اسلام، اپریل ۱۹۵۵ء صد ۱)

اس واضح عبارت کو بار بار پڑھئے اور دیکھئے کہ طلوعِ اسلام کیا کہہ گیا ہے؟ اگر مُلّا کی کسی جماعت یا کسی فرقے، کسی ملک یا کسی زبان کی تخصیص کی گئی ہوتی یا

عبارت میں اجمال و ابہام ہی سے کام لیا ہوتا تو یہ سمجھا جا سکتا تھا کہ طلوع اسلام کسی خاص جماعت، کسی مخصوص فرقہ، کسی متعیّن ملک اور کسی محدود زبان کے علماء اور ملاّؤں کے پیش کردہ اسلام سے نالاں ہے۔ لیکن طلوع اسلام بلا استثناء یہ کہتا ہے اور برملا یہ لکھتا ہے کہ تمام علماء جس چیز کو اسلام کہتے ہیں وہ اسلام نہیں ہے اور جو حقیقی اسلام ہے (جس کی کچھ جھلکیاں اس کتابچہ میں قارئین کرام نیاز صاحب کے نظریات سے لے کر طلوع اسلام کے نظریات تک ملاحظہ کر چکے ہیں) ملاّ اس کو اسلام کہے بھی کیسے؟ اگر یہ نظریات اسلام ہیں تو دُنیا میں کُفر، الحاد اور زندقہ پھر کس بلا کا نام ہے؟ اسی لیے تو طلوع اسلام ملاّ اور اس کے پیش کردہ اسلام کا سراسر منکر ہے کہ وہ اس کے پیش کردہ اسلام سے متصادم ہے۔ اور وہ کفر و الحاد کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ اس سے یہ حقیقت بھی بالکل آشکارا ہو جاتی ہے کہ طلوع اسلام جس اسلام کو عوام کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے وہ اس اسلام کے بالکل خلاف اور اس کے بالکل برعکس ہے جو آج تک مسلمانوں میں مروّج چلا آتا ہے اور جس کے علماء محافظ اور وارث چلے آ رہے ہیں اور یہی مروّج اسلام طلوع اسلام کے نزدیک اسلام نہیں ہے۔ بتایئے کہ ایک راسخ العقیدہ مسلمان اور ملاّ طلوع اسلام کے اس خودساختہ اسلام کا کیسے قائل ہو سکتا ہے! جس کی کڑی نہ تو کہیں فقہاء کرامؒ تک پہنچتی ہے اور نہ محدثین عظامؒ تک۔ اور اس کا سرا نہ تو کہیں تابعینؒ نیک فرجام تک پہنچتا ہے اور نہ صحابہؓ ذوالاحترام تک۔ اور نہ دین کی یہ کڑی جناب رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی شخصیّت تک پہنچتی ہے جو رب العلمین کی وحی کے مطابق ایک جامع دین۔ ایک مکمل شریعت ایک واضح اور روشن مذہب ایک درخشندہ اسلام امتِ مرحومہ کو دے کر دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔ رہا طلوع اسلام کا اسلام، تو وہ خدا تک کیسے پہنچتا

ہے؟ اور خدا تعالیٰ کی رضا اس میں کتنی شامل رہتی ہے؟ اور خدا تعالیٰ کے بیان کردہ احکام اور عقائد کو طلوعِ اسلام اور ان کے ہم خیال منکرینِ حدیث کس حد تک تسلیم کرتے ہیں؟ اس کا تھوڑا سا خاکہ اوراقِ گذشتہ میں گزر چکا ہے کہ وہ کیا ہے؟ سمجھدار آدمی اس سے اندازہ لگا سکتا ہے۔ نیز طلوعِ اسلام کے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان کا مرکزِ ملّت اشخاص کا نام نہیں بلکہ خداؤں کی ایک پنچایت ہے (العیاذ باللہ) کیونکہ ان کا مرکزِ ملّت جُزئیات کا تعیّن کرنے کا تو مجاز ہے اگر وہ اشخاص ہی کا مجموعہ ہو تو ملّا کی ہمنوائی ہو جائے گی کہ ملّا کا اسلام اشخاص تک جا کر رک جاتا ہے۔ خدا تک نہیں پہنچتا۔ لہٰذا لازمی امر ہے کہ مرکزِ ملّت اشخاص نہیں ہو سکتے بلکہ خدا ہی ہوں گے (معاذ اللہ)

طلوعِ اسلام کے اس بیان سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ منکرینِ حدیث آئے دن علماء کے خلاف مختلف قسم کے عنوانات قائم کر کے اُن کو کیوں کوستے ہیں؟ کہیں یہ عنوان ہے کہ ملّا کا مذہب کیا ہے؟ کہیں یہ کہ ملّا کا عجیب و غریب مذہب ہے کسی جگہ ملّا کا بہشت، ٹرخی ہے اور کسی جگہ اس مصرعہ سے سہارا تلاش کیا جاتا ہے کہ ع

اے مسلماں پوچھ اپنے دل سے ملّا سے نہ پوچھ

غرضیکہ آپ طلوعِ اسلام کے مضامین پڑھیئے، ان کے ہمخیال شعراء کی نظمیں دیکھیئے تو معلوم ہو گا کہ کیسی کیسی نادر اور نرالی پھبتیاں علماء پر چسپاں کی گئی ہیں اور غریب علماء کا تو ذکر ہی کیا ہے اسرے سے مذہبِ اسلام کی بساط کہن ہی الٹ کر رکھدی ہے۔ واللہ ناصر دینہٖ ع

پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

سمجھے ناحضرات! ان کو ملّا سے اختلاف کیا ہے؟ اور کیوں ہے؟ محض

اس لیے کہ جس مذہب کو ملّا پیش کرتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہے وہ طلوعِ اسلام کے نزدیک اسلام نہیں۔ اور جو حقیقی اسلام ہے، مُلّا اس کو رائج نہیں ہونے دیتا اور اس کو وہ اسلام کہہ کر پکارنے ہی نہیں دیتا۔ ظاہر ہے کہ جب دو نظریے آپس میں متضاد ہوں گے اور ہر ایک کو اس پر اصرار ہوگا کہ دنیا میں میرا ہی نظریہ باقی اور برقرار رہے تو لابدی امر ہے کہ آپس میں چپقلش ہوگی اور ہر ایک اسی فکر میں ہوگا کہ میرے راستے کا روڑا ہٹ جائے تاکہ میں اپنا نظریہ بلا مقابلہ پیش کرسکوں۔

بس یہی اُلجھن ہے طلوعِ اسلام اور اس کی جماعت کے سامنے مگر ملّا بھی بڑا ہی سخت جان ہے۔ وہ چودہ صدیوں سے برابر مار کھاتا چلا آرہا ہے مگر اس امانت کو ملّا نے باوجود انتہائی پریشانیوں کے کبھی پسِ پشت نہیں ڈالا۔ اور نہ اس سے بے اعتنائی برتی ہے، جو جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم نے حجۃ الوداع کے موقع پر منیٰ کے مقام پر ہزاروں کی تعداد میں صحابۂ کرامؓ کی وساطت سے اُمّتِ مرحومہ کے حوالے کی تھی کہ :۔

"میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں۔ جب تک تم ان پر کاربند رہوگے، تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی کتاب اور دوسری میری سنّت ہے۔" (مسند دارمی)

اور ملّا ہر نازک موقع پر بڑی ہمّت، پامردی، جُرأت اور بہادری سے طوفانِ حوادث کو یہ کہتا رہا ہے کہ ؎

ہم کو طوفانِ حوادث کیا ڈرائیگا حمید
جب سے ہم پیدا ہوئے یہ آندھیاں دیکھا کیے

۲۔ علم کے ذرائع

تمام اہلِ اسلام اس امر پر کلّیتہً اتفاق رکھتے ہیں کہ مُسلمان کے لیے علم کے

ذرائع میں سب سے پہلے قرآن کریم اور پھر حدیث شریف ہے اور اجماع امّت کے بعد اظہار اسلام اور ان کے افہام و تفہیم کا ایک ذریعہ قیاس اور اجتہاد، بالفاظ دیگر عقل و بصیرت بھی ہے۔ مگر طلوع اسلام کے نزدیک نہ تو حدیث شریف کا علم ذریعہ ہے اور نہ اُمّت مسلمہ کا اتحاد و اتفاق بلکہ اُس کے نزدیک صرف دو ذریعے ہیں۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ :-

"ختم نبوّت کے بعد ہمارے پاس علم کے صرف دو ذرائع رہ جاتے ہیں۔ ایک وہ وحی جو قرآن کے اندر ہے اور دوسرا انسان کی عقل و بصیرت۔" (طلوع اسلام ص۳۰ ۸ راکتوبر ۱۹۵۵ء)

ظاہر ہے کہ یہاں مطلق عقل و بصیرت کا ذکر نہیں ہو رہا ہے بلکہ اس عقل و بصیرت کا ذکر ہے جو دین میں کام آسکے۔ اور یہ دینی عقل و بصیرت بھی صرف وہی معتبر اور قابل ہوگی جو طلوع اسلام کے نزدیک معیاری ہو۔ اور وہ نیاز صاحب، اسلم صاحب تمنّا عمادی صاحب، پرویز صاحب برق صاحب، ڈاکٹر احمد دین صاحب اور اسی قسم کے دوسرے حضرات کی عقل و بصیرت ہوگی، جن کے کچھ نمونے آپ نے اوراقِ گذشتہ میں ملاحظہ کر لیے ہیں۔ جب ان میں اہل علم و صاحب قلم حضرات کی دینی عقل و بصیرت کا یہ عالم ہو تو وہاں دوسروں کا کیا پوچھنا؟ ع

جس کی بہار یہ ہو سو اس کی خزاں نہ پوچھ

۳۔ قطع ید

قرآن کریم میں چور مرد اور چور عورت کی سزا قطع ید (یعنی ہاتھ کاٹنا) بیان کی گئی ہے مگر طلوعِ اسلام قطع ید کی سزا کے بارہ میں اپنی طرف سے ایک اور پیوند لگا کر اب قطع ید جیسی قرآنی سزا کو دبی ہوئی زبان سے بدلنے کی فکر میں مبتلا ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ :-

اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَۃُ فَاقْطَعُوْا اَیْدِیَھُمَا یعنی چور مرد اور چور عورت کی سزا یہ ہے کہ اُن کے ہاتھ کاٹ دو۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ قطع ید کے معنی ہیں ایسے حالات پیدا کر دینا جس سے اُن کے ہاتھ چوری سے رُک جائیں۔" اھ (طلوع اسلام ص۱۷، ۱۵ اکتوبر ۱۹۵۵ء)

خط کشیدہ الفاظ بار بار پڑھئے اور طلوع اسلام سے پوچھئے کہ یہ بعض کون ہیں جنہوں نے قطع ید کا یہ معنیٰ بیان کیا ہے کہ ایسے حالات پیدا کر دو، جس سے اُن کے ہاتھ چوری سے رُک جائیں؟ اور پھر یہ معنی قرآن کریم کے خلاف کیوں ہیں؟ قرآنِ کریم کا یہ منشاء ہے کہ جس کا چور ہونا ثابت ہو جائے اور جو للسارق اور السارقۃ کہلائے تو اس کو سزا نہ دی جائے یا اُس کا ہاتھ نہ کاٹا جائے؟ یہ مان لیا کہ آئندہ کے لیے ایسے حالات پیدا کر دو کہ اس کے ہاتھ چوری سے رُک جائیں، مگر ثابت شدہ چوری کی سزا تو صرف یہ حالات پیدا کرنے ہی نہیں بلکہ اس کی سزا حقیقتاً قطع ید ہے۔ اور اگر مراد یہ ہو کہ اس جگہ چور سے مراد وہ شخص ہے جو چوری کے دَرپے ہو مگر ابھی تک اس نے چوری کی نہیں تو یہ بتلایا جائے کہ قرآن کریم نے اس کو السارق اور السارقۃ کیوں کہا ہے؟ اور ایسے شخص کی سزا قطع ید کیوں مقرر کی ہے، جس نے ابھی تک چوری ہی نہیں کی۔ طلوع اسلام اس مفہوم کو پیش نظر رکھے جس کو قرآن کریم میں السارق اور السارقۃ سے بیان کیا ہے اور پھر اس کی سزا قطع ید ذکر کی ہے۔ اِدھر اُدھر کی باتوں سے کچھ نہ ہوگا۔

مسلمان اس امر پر تا ہنوز متفق رہے ہیں کہ زانی مُحْصَن کی سزا جو صحیح احادیث سے ثابت ہے، صرف رجم اور سنگساری ہی ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ منازعت کرتے ہوئے طلوع اسلام یوں رقمطراز ہے کہ:۔

"باقی رہا یہ کہ زنا کی سزا سنگساری (رجم) میں کیا حرج ہے۔ سو حرج یہ

ہے کہ جب[1] خدا نے حکم دے دیا کہ اس کی سزا سو کوڑے ہے تو کس کی مجال ہے کہ اس کے حکم کو کسی دوسرے حکم سے بدل دے ۔"

(طلوع اسلام ص۵۶ نومبر ۱۹۴۹ء)

طلوع اسلام سے اُس کے اس بیان کے پیش نظر دریافت طلب یہ امر ہے کہ جب خدا نے یہ حکم دے دیا ہے کہ چور مرد اور چور عورت کی سزا قطع ید ہے۔ تو اس کے اس حکم کو کسی دوسرے کے اس حکم سے کیسے بدلا جا سکتا ہے کہ اس کے لیے ایسے حالات پیدا کرنا ہے کہ جس سے اُس کے ہاتھ چوری سے رُک جائیں ؟

طلوع اسلام کی گردن پر یہ سوال بھی قائم رہے گا (کیونکہ وہ حدیث کو تو حجّت تسلیم نہیں کرتا)، قرآن کریم میں تو صرف اتنا ہی ذکر ہے کہ چور مرد اور زن کا ہاتھ کاٹ دو۔ مگر یہ نہیں بتاتا کہ کتنا مال وہ چرائیں تو ان کا ہاتھ کاٹا جا سکتا ہے ؟ اور یہ بھی بیان نہیں ہوا کہ پہلی مرتبہ چوری کرے تو ہاتھ کاٹو، یا یہ انتہائی سزا ہے ؟ پھر کاٹو تو کون سا ہاتھ کاٹو ؟ دایاں یا بایاں ؟ اور کاٹو تو کہاں سے ؟ کلائی سے ؟ کہنی سے ؟ بازو سے یا بغل سے ؟ یا یہ جملہ تفصیلات کسی قاضی اور جج کی صوابدید پر ہوں گی ؟ اور اگر اس کی صوابدید پر ہیں تو کہیں وہ ظنّی تو نہ ہوں گی ؟ اور اگر وہ ظنی ہوں گی تو وہ دین کیسے قرار پا سکتی ہیں ؟ اگر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی احادیث اور خلافتِ

---

[1] مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی لکھتے ہیں کہ کیونکہ قرآن مجید سے من کل الوجوہ ثابت ہے کہ مُحْصَن مرد یا مُحْصَنہ عورت اگر زنا کے مرتکب ہوں تو اُن کی سزا قتل ہے جس کو رجم بھی کہتے ہیں۔ سو یہی حکم رجم قرآن مجید میں اس وقت بھی بالکل صاف صاف مذکور اور بدستور موجود ہے (بلفظہ رد النسخ حصّہ دوم ص۳۷) اور اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ الآیۃ کی تفسیر میں اس پر کافی بحث کی ہے (تقسیر پ۶ ص۳۹)

راشدہ کا تعامل ظنّی ہونے کی بنا پر دین نہیں ہو سکتا تو آج کسی جج کا ذاتی خیال اور صوابدید کیسے حجت ہو سکتی ہے؟ بہت ممکن ہے کہ اس میں بھی ہر زمانے کے تقاضا کا دخل ہو۔ کسی زمانہ میں سو روپے کی چوری میں ہاتھ کاٹا جائے اور کسی دوسرے زمانہ میں ہزار روپے کی چوری میں بھی اس کی نوبت نہ آئے۔ کسی کا اُس کے زمانہ کے تقاضا کے مطابق کلائی سے ہاتھ کاٹا جائے اور کسی کا کہنی اور بازو وغیرہ سے۔ اور اگر کوئی بے چارہ مُلّا چوری کا ارتکاب کرے تو اس کا پہلی ہی چوری میں ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ بقول کسے "پہلی چوری پہلی پھانسی" کیونکہ اُس نے خدا کی کتاب کو رٹ رٹ کر اُس کا اثر اپنے اندر پیدا نہیں کیا۔ اور اگر کوئی بابو یا اپ ٹو ڈیٹ قسم کا آدمی چوری کرے تو اس کو پہلی مرتبہ چھوڑ دو۔ اور اس کے لیے "بعض" کی بصیرت قرآنی کے ماتحت ایسے حالات پیدا کر دو کہ اُس کے ہاتھ چوری سے رُک جائیں۔ اور آئندہ وہ چوری نہ کر سکے۔ آخر خود طلوع اسلام کا بیان ہے کہ:۔

> "قرآن کریم میں عام طور پر دین کے اصول دیے گئے ہیں اُن کی جُزئیات متعین نہیں کی گئیں۔ اِس کا مطلب یہ ہے کہ دین کے اصول تو قیامت تک کے لیے غیر متبدل رہنے والے ہیں (یہ الگ امر ہے کہ اس سے چوری وغیرہ مستثنٰے ہیں۔ کیونکہ اِس کی سزا "بعض" کے نزدیک قطع ید نہیں، بلکہ ایسے حالات پیدا کرنا ہے کہ اس کے ہاتھ چوری سے رک جائیں (کیونکہ اس دورِ تہذیب و تمدن کا تقاضا ہی یہی ہے صفدر) لیکن ان اصولوں کی روشنی میں جو جزئیات متعین ہوں گی ان میں مختلف زمانوں کی ضرورتوں کے مطابق ردّ و بدل ہوتا رہے گا" (بلفظہٖ طلوع اسلام ص ۲ ۸ / اکتوبر ۱۹۵۵ء)

لہٰذا چوری کی جزئیات اس قاعدہ سے کیونکر خارج ہو سکتی ہیں؟ اور اُن میں

تغیّر و تبدل سے آخر کیا چیز مانع ہے؟ ائمہ دین کا نصاب سرقہ سے متعلق جزوی اختلاف اور بعض بعض شرعی عوارض سے چور کا ہاتھ نہ کاٹا جانا محلِ نزاع نہیں ہے وہ مفروغ عنہ بحث ہے۔

۴۔ قربانی

حاجی اور حرم کی مخصوص قربانی کے علاوہ عام قربانی کا ذکر بھی قرآن کریم میں موجود ہے۔ جس میں نہ تو احرام کی کوئی قید ہے اور نہ حرم کی فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ پس آپ اپنے ربّ کے لیے نماز پڑھیے اور قربانی کیجیے اور جو حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کو ہے وہی آپ کی امّت کو ہے۔ اِلاّ یہ کہ تخصیص کا کوئی صحیح اور صریح قرینہ موجود ہو اور یہاں کوئی قرینہ موجود نہیں ہے۔ اس مطلق قربانی کو اپنی خواہشات کی زنجیروں میں جکڑنا کہاں کا انصاف ہے؟ اور بھلا اس کو تسلیم بھی کون کرتا ہے؟

قربانی کے ثبوت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے قولاً اور فعلاً متواتر درجہ کی صحیح حدیثیں موجود ہیں اور حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم دس سال مدینہ طیبہّ میں رہے اور ہر سال آپ قربانی کرتے رہے۔ (مشکوٰۃ جلد ۱ ص ۱۲۹ وغیرہا) اور تمام اُمّت کا اس پر اتفاق رہا ہے اور اس گئے گزرے زمانہ میں بھی لوگ اس سنّت کو کروڑوں کی تعداد میں ادا کرتے ہیں۔ اس سے زیادہ بحث ہم اس مقام پر نہیں کرتے کیونکہ ہم نے اس پر ایک مختصر سا رسالہ بنام مسئلہ قربانی لکھا ہے جو طبع ہو چکا ہے۔ قربانی کی ضروری بحث اس میں ملاحظہ کریں، لیکن طلوعِ اسلام کا یہ بے بنیاد افترار بھی ملاحظہ کریں جو قربانی کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ:۔

" پھر تاریخ ہمیں بتاتی ہے (بظاہر یہ کوئی ذہنی اور پرویزی تاریخ

ہوگی، اسلامی تاریخ تو اس کے سراسر خلاف ہے، مقصد یہ کہ خود رسول
اللہ نے بھی مدینہ طیبہ میں قربانی نہیں دی۔ حج ۹ھ میں فرض ہوا
حضور اس سال خود تشریف نہیں لے گئے لیکن اپنی طرف سے کچھ
جانور امیر کارواں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ کر دیئے کہ وہاں مصرف
میں لائے جائیں۔ اگلے سال حضور خود حج کے لیے تشریف لے
گئے اور وہیں جانور ذبح کئے۔ لہٰذا ہر جگہ قربانی دینا نہ حکمِ خداوندی
ہے اور نہ سنّتِ ابراہیمی اور نہ ہی سنّتِ محمّدی۔

(طلوعِ اسلام صٓ ۳۰ ستمبر ۱۹۴۹ء)

ملاحظہ کیا آپ نے کو طلوعِ اسلام نے کس دیدہ دلیری اور کس بے باکی سے یہ خالص بہتان اور سفید جھوٹ تراشا ہے کہ ہر جگہ قربانی دینا نہ حکم خداوندی ہے نہ سنّتِ ابراہیمی اور نہ ہی سنت محمّدی۔ اور غور کیا آپ نے کس ڈھٹائی کے ساتھ اس نے یہ بے بنیاد دعویٰ کیا ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) نے بھی مدینہ طیبّہ میں قربانی نہیں دی۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہ۔ سچ کہا گیا ہے کہ ؎

چہ دلاور است وزدے کہ بکف چراغ دارد

آپ نے غور کیا کہ منکرینِ حدیث کس طرح اسلام کے ایک ایک حکم کا رد کرتے ہیں اور کس بے باکی سے نصوصِ قطعیہ اور متواتر تعامل کا انکار کرتے ہیں۔ اور اس پر مُلّا کو کوستے ہیں کہ وہ اسلام کا دشمن ہے اور صحیح اسلام کو پیش نہیں ہونے دیتا اور مبصرینِ قرآن (جناب پرویز صاحب، نیاز صاحب اور اسی طرح کے دوسرے حضرات) کے راستہ میں روڑے اٹکاتا ہے۔ ملاحظہ کیا آپ نے کہ طلوعِ اسلام وغیرہ کے اس پیش کردہ اسلام کو مُلّا کیوں کر اسلام سمجھے؟ اور کیوں اسلام کہے؟
ہر کیوں اس سے دبے؟ ؎

بلند فطرت ہیں جو ازل سے نہیں کسی سے وہ پست ہوتے
کبھی گرے بھی جو وہ زمین پر تو مثل اوج فلک رہے ہیں

۵۔ وحی

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کریم کے علاوہ بھی وحی نازل کی ہے، قرآن کریم، صحیح اور متواتر احادیث اور اُمّت مرحومہ کا اس پر اتفاق رہا ہے۔ معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاں اور بیشمار درجات اور مزایا عطا فرماتے وہاں اس کا ذکر بھی ہے کہ :۔

"فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِہٖ مَاۤ اَوْحٰی۔ پس اُس (اللہ تعالیٰ) نے وحی بھیجی اپنے بندہ کی طرف جو بھی وحی بھیجی"!

حرف "ما" کے عموم میں جو کچھ ابہام کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس وحی کا ادراک دینے والے اور لینے والے کے علاوہ اور کون کر سکتا ہے؟ اور اس کے علاوہ بھی بتوسطِ فرشتہ وقتاً فوقتاً قرآن کریم کے علاوہ جو وحی آپ پر نازل ہوتی رہی اس کا انکار کرنا آفتابِ نیم روز کا انکار کرنا ہے۔ اور کسی مسلمان کو اس میں ادنیٰ تامّل بھی نہیں ہو سکتا اور نہ کبھی ہوا ہے۔ مگر طلوع اسلام لکھتا ہے کہ :۔

"قرآن نے بار بار اس کی تصریح کی ہے کہ رسول اللہ پر جو وحی نازل ہوئی۔ وہ سب قرآن میں ہے۔ قرآن کے باہر کہیں نہیں الخ۔

(مقام حدیث جلد اوّل ص۹۹)

طلوع اسلام اور اُن کے اتباع و اذناب سے ہم پوچھتے ہیں کہ آپ کے فاسد اور باطل مزعوم کے مطابق تو قرآن نے بار بار اس کی تصریح کی ہے مگر آپ سے صرف ایک ہی تصریح مانگتے ہیں۔ وہ نہ تو کشیدہ ہو اور نہ اِدھر اُدھر کی باتیں ہوں قرآن میں اس کی تصریح ہو کہ "رسول اللہ پر جو وحی نازل ہوئی وہ

سب قرآن میں ہے۔ قرآن کے باہر کہیں نہیں ؟ دونوں حکم قرآن کریم میں ہوں
اثبات کا بھی (کہ رسول اللہ پر جو وحی نازل ہوئی وہ سب قرآن میں ہے)
اور نفی کا بھی (کہ قرآن کے باہر کہیں نہیں ؟) اور ہو تصریح۔
کیا طلوعِ اسلام انصاف کو پیشِ نظر رکھ کر اس کا کوئی معقول جواب دے
سکتا ہے ؟ دیدہ باید۔

۶۔ تقدیر

قرآنِ کریم کی نصوص قطعیہ (مثلاً خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا (پ ۱۸،
الفرقان، ع ۱) "ہر چیز اس نے بنائی۔ سو ہر چیز کو اس نے تقدیر کے مطابق بنایا"۔
قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا۔ (پ ۱۰۔ التوبۃ، ع ۷) "فرما دیجئے
کہ ہم کو ہرگز نہ پہنچے گا مگر وہی جو لکھ دیا ہمارے لیے اللہ تعالیٰ نے"۔ مَا أَصَابَ
مِنْ مُصِيبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي أَنْفُسِكُمْ إِلَّا فِي كِتَابٍ مِنْ قَبْلِ أَنْ نَبْرَأَهَا
(پ ۲۷۔ الحدید، ع ۳) "کوئی آفت نہیں پڑتی زمین میں اور نہ تمہاری جانوں
میں۔ جو لکھی نہ ہو ایک کتاب میں پہلے اس سے کہ پیدا کریں ہم اس کو دنیا
میں"۔ وغیرہا آیات) اور متواتر درجہ کی احادیث اور اُمّتِ مسلمہ کے اجماع سے یہ عقیدہ ثابت
ہے کہ تقدیر پر ایمان لانا ضروری ہے اور بغیر اس پر ایمان لائے اگر کوئی احد پہاڑ
کی مانند بھی سونا خدا تعالیٰ کی راہ میں صرف کر دے تو وہ ہرگز قبول نہ ہوگا اور تمام
مسلمان ایمان مفصل میں آج تک اس کا اقرار کرتے چلے آتے ہیں، کہ وَالْقَدْرِ
خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ مِنَ اللّٰهِ تَعَالٰی اور علماء عقائد نے کتبِ عقائد میں عقلی اور نقلی
طور پر اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی ہے اور اس مشکل مسئلہ کو اقرب الی الذہن
کرنے کی سعی ہے۔ کوئی شک نہیں کہ یہ مسئلہ اصعب المسائل اور کافی پیچیدہ مسئلہ
ہے۔ مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ اس کے مشکل ہونے کی وجہ سے اس کا سرے

سے انکار ہی کر دیا جائے یا اس کو مجوسیوں اور عجمیوں کا عقیدہ بتایا جائے۔ لیکن طلوع اسلام اس کے برعکس نقل کرتا اور لکھتا ہے کہ :-

"قرآن نے ایمان کے پانچ اجزا مقرر کئے ہیں (برق صاحب نے ان میں بھی تخفیف کر کے صرف دو رہنے دیئے ہیں۔ ایمان باللہ والیوم آلاخر کما مرّ۔ صفدر) ۱۔ اللہ پر ایمان ۲۔ ملائکہ پر ایمان ۳۔ رسولوں پر ایمان ۴۔ کتابوں پر ایمان ۵۔ آخرت پر ایمان۔ ان پر ایمان لانے سے ایک شخص دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے اور ان سے انکار کرنے پر وہ اس دائرہ سے باہر نکل جاتا ہے۔ اس کے برعکس عجمیوں (مجوسیوں) میں ایمان کا مدار خیر و شر (تقدیر) کا مسئلہ تھا۔ جب اہل ایران مسلمان ہوئے ہیں تو انہوں نے اپنے اس قدیمی عقیدے کو عربوں میں پھیلا دیا" اھ

(طلوع اسلام ص۱۳ ماہ جنوری ۱۹۵۱ء)

اور پھر آگے لکھا ہے کہ :-

"یعنی پانچ اجزائے ایمان خدا کی طرف سے اور چھٹا جزو ایرانیوں کی طرف سے" (الخ ایضاً ص۱۴)

طلوع اسلام کے اس باطل مزعوم کے پیشِ نظر مطلب یہ ہوا کہ مسلمانوں میں تقدیر کا جو مسئلہ رائج ہے وہ اسلام کا عقیدہ نہیں ہے بلکہ عجمیوں، ایرانیوں اور مجوسیوں کا ہے۔ جن کے نزدیک خدا بھی دو تھے۔ یزدان و اہرمن۔ اور جو اپنی ماں اور بہن، بیٹی اور دادی وغیرہا محرمات سے نکاح بھی جائز سمجھتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ اہل عرب اپنی سادگی کی وجہ سے ایرانیوں اور مجوسیوں کی اس کارروائی کو نہ سمجھ سکے کہ یہ عقیدہ کہاں سے آیا ہے؟ اور کس طرح

آیا ہے ؟ ہاں قدریہ وغیرہم کی طرح اب منکرین حدیث پر اور خصوصیت سے طلوعِ اسلام پر یہ جدید انکشاف ہوا ہے اور کچھ بعید نہیں کہ ان کی طرف ہماری ملّت روسیہ کے راکٹوں سے سگنل کے اشارات ہی ہوتے ہوں کہ تقدیر کا عقیدہ غیر اسلامی اور غیر قرآنی بلکہ مجوسیانہ عقیدہ ہے (العیاذ باللہ)

قارئین کرام ! آپ نے اچھی طرح محسوس کر لیا ہوگا کہ منکرین حدیث انکار حدیث اور دعوت الی القرآن کو صرف ایک ذریعہ اور بہانہ بنانا چاہتے ہیں۔ اُن کا مقصد اسلام کے بیشتر عقائد اور اکثر اعمال و اخلاق کا انکار کر کے ان کی جگہ محض اپنی خواہش نفسانی کی ترویج ہے۔ اور بس ! ہاں باطل سے باطل نظریہ کو بھی اگر اچھے انداز اور سلجھے ہوئے طریقہ پر پیش نہ کیا جائے تو اس کو ماننا کون ہے ؟ اس لیے ان کا اولی زور ہی اس پر صرف ہو رہا ہے کہ حدیث دین نہیں ہے۔ تفاسیر کا اکثر حصہ بیکار بلکہ مردہ ہے۔ مُلّا اسلام کا دشمن ہے۔ ہم قرآن کے داعی اور مُبصّر ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لیکن بحمد اللہ مُلّا بھی بڑا ہی سخت جان ہے وہ دائیں ہاتھ میں قرآن کریم اور بائیں ہاتھ میں سنّت رسول کی شمع لے کر تاریک دنیا میں یہ کہتا ہوا اپنا قدم منزل کی طرف بڑھاتا ہوا چلا جا رہا ہے اور اسلامی شاہراہ پر کانٹے بونے والے سے یوں خطاب کرتا ہے کہ ؎

ہماری منزل کا ہے وہ دشمن، ہماری راہیں بگاڑتا ہے !
کھلیں گے کچھ قدرتی شگوفے جب اپنے کانٹے وہ بو چکیگا

خطرہ

اس وقت دنیا کو کمیونزم کے عظیم سیلاب کا جو اشد خطرہ ہے وہ کس باہوش انسان اور غیور مسلمان سے مخفی ہے ؟ اس کے پھیلنے اور پھولنے کے اسباب میں برائے نام مالی مساوات کے علاوہ ایک بہت بڑا سبب دین الٰہی سے

تنفر بھی ہے اور یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ جب دین و مذہب خدا و رسول ، قرآن و حدیث اور اسلامی اقدار کی قدر و منزلت باقی نہ رہے تو پھر اس سیلاب کے چھا جانے میں کوئی رکاوٹ باقی رہ نہیں جاتی ۔ پھر تو یہاں تک نظریات پیدا ہو جاتے ہیں کہ روسی راکٹ بھی ان کو اللہ میاں کا کوئی اتہ پتہ نہیں بتاتا (العیاذ باللہ) جب خدا تعالیٰ سے اس رنگ میں تمسخر ہو تو پیچھے کیا رہ جاتا ہے؟ اس لئے منکرینِ حدیث کے ان باطل نظریات کے پیشِ نظر شدید خطرہ ہے کہ پاکستان جیسی اسلامی مملکت کہیں کمیونزم کی آماجگاہ نہ بن جائے ۔ کیونکہ جب تک مسلمانوں میں مذہبی اور دینی عصبیت باقی نہ رہے گی اور وہ قرآن و حدیث اور اسلامی علوم و فنون پر اعتماد نہ کریں گے تو وہ یقیناً دیگر فتنوں کا عموماً اور کمیونزم جیسے ملعون فتنہ کا خصوصاً آسانی سے شکار ہو جائیں گے ۔ اس لیے مسلمانوں پہ لازم ہے کہ وہ ایسے لوگوں کی باتوں پہ ذرہ بھی توجہ مبذول نہ کریں ۔ جو حدیث و تفسیر اور اسلامی علوم کو ناقابلِ اعتماد قرار دینے کا اُدھار کھائے بیٹھے ہیں ۔ کیونکہ کمیونزم اور الحاد و زندقہ وغیرہ کے طوفانوں کے سدِّ باب کا واحد ذریعہ اسلام اور صرف اسلام ہی ہے جو قرآن و حدیث کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے اور طوفان تو ہر سمت سے اُبھر رہے ہیں ؂

ہواؤں کا رُخ بتا رہا ہے ضرور طوفان آ رہا ہے !

نگاہ رکھنا سفینہ والو ! اُٹھیں ہیں موجیں کدھر سے پہلے

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم کے ساتھ تمام مصائب سے ہمیں محفوظ رکھے ۔

آمین ثم آمین ! وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہٖ محمد وآلہٖ واصحابہ اجمعین ۔